شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

چندہ سالانہ
سات روپئے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

تعمیرِ حیات
لکھنؤ
پندرہ روزہ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی
اشاعت خاص

۷ – ۲۲ – شوال ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ – ۲۵ – فروری ۱۹۶۵ء

کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڈھ

مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عمارت دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Phone No 22948
TAMEER-E-HAYAT
Regd. No L 198
DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

القراءۃ الراشدۃ ۳ حصے

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلوماتِ عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اس کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۸ حصہ دوم ۸ حصہ سوم ۸

قصص النبیین للاطفال ۵ حصے

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا اس طرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بھی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۵۰/، حصہ دوم ۷۵/، حصہ سوم ۱/۷۵

مختارات

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنیکے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۸ حصہ دوم ۸

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ۸

ESTD. 1903

قدرتی تیل
جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے
کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

Cover Printed at Nadwatul Ulamas Press LUCKNOW

پندرہ روزہ

تعمیر حیات
لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲
نمبر ۸

سالانہ
۷ روپے
فی پرچہ
۳۰ پیسے

۲۵ فروری ۱۹۶۵ مطابق شوال المکرم ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ندوۃ العلماء

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز!

محمد الحسنی

ندوۃ العلماء کو مختلف میدانوں میں اپنی گریزپا کامیابیوں اور ناقابل فراموش گرانقدر خدمات کے باوجود ایک ایسی تصویر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس میں ابھی پورے طور پر رنگ بھرنا باقی ہے۔ اور جس میں اس کا اصل حسن و جمال اور اصل جوہر پوشیدہ ہے اور جو کسی ایسے صاحب دل اور صاحب عزیمت انسان کی منتظر ہے جو بڑھ کر اس کے نقاب کو اٹھا دے اور اس کے ہر شریک بزم کو اس کا محرم راز اور اس کا درد آشنا بنا دے۔

وہ ان بادلوں میں نہیں جو برس کر خالی ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے اندر اب بھی بجلیوں کے خزانے اور پانی کے سرچشمے پوشیدہ ہیں بقول

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

یہ سمجھنا کہ ندوۃ العلماء کو جو کچھ دنیا تھا وہ دے چکا اور ہماری موجودہ تاریخ میں اس کو جو حصہ لینا تھا وہ لے چکا بہت بڑی غلطی اور لاعلمی اس کے اصل پیغام اور اس کی صلاحیت سے بدگمانی اور اس کے بلند مقاصد سے بے وفائی اور روگردانی کے مرادف ہے۔

ندوۃ العلماء کے اس تصویر کے دو رخ ہیں، ایک کا تعلق قلب سے ہے، دوسرے کا دماغ سے، یہ دونوں اپنی مخصوص حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں، لیکن دل کی قدرتی طور پر اس لئے زیادہ اہمیت ہے کہ اس پر ہر انسان کے وجود اور زندگی کا انحصار ہے اور حدیث نبوی کا صاف اعلان ہے: الا إن في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب

یہ ندوۃ العلماء کے دو ایسے بازو یا شہپر ہیں جو اس کی بلند اور متوازن اور مسلسل پرواز کے لئے بیحد ضروری ہیں، اور جن کے بغیر وہ اپنی منزل مقصود تک سلامتی کے ساتھ نہیں پہونچ سکتا۔ عقل اس دل کی پاسبانی تو کرسکتی ہے لیکن اس کی رہبری نہیں کرسکتی .... اور اس کی جگہ نہیں لے سکتی، وہ اس کی طاقتوں اور صلاحیتوں، اس کی بلند پروازی، لطافت ادراک اور اس کی وسعت و عظمت کا اندازہ بھی نہیں کرسکتی اور اس کے حدود سلطنت کو ناپنے اور جہاں اس کے نقش قدم ہیں وہاں اپنے خیال و تصور کو پہونچانے کا بھی حوصلہ نہیں رکھتی، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی قدر پہچانے اور اپنے دائرہ عمل اور حدود کار سے تجاوز نہ کرے۔ اپنی اہمیت میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لے اور اپنے اور اپنے حدود میں ناجائز طریقہ پر توسیع اور دوسروں کی حق تلفی سے باز آئے، اس کی پاسبانی ضرور کرے اور اس کی بے راہ روی اور بھٹکنے پر بھی نظر رکھے لیکن اس کے سر پر سوار نہ ہو اور اس کے لئے وبال جان نہ بن جائے۔

اس دل کی اہمیت کو سمجھنا اور اس سے اسی کے مطابق معاملہ کرنا اور اس کی قدر کرنا ندوۃ العلماء کا وہ نازک اور اہم فریضہ ہے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوۃ العلماء — لکھنؤ

مقاصد

(۱) مختلف زبانوں میں ایسے پرمغز اور صالح لٹریچر کی تیاری

● جو اسلام کی مؤثر طاقت اور نمائندگی کرے۔

● ایمان و یقین کی بنیادیں ذہن و دماغ میں از سر نو استوار کرے

● اس ذہنی و فکری بےچینی و انتشار کو رفع کرے جو مغرب کی مادہ پرست تہذیب و ادب نے عالمگیر پیمانے پر پیدا کر دیا ہے۔ (۲)

● اس نئے ارتداد کا مقابلہ کرے جو طوفان اور سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیل گیا ہے۔

جس کا بغیر کوشش بے قیمت اور لاحاصل ہوگی اور وہ مقصد کسی طرح حاصل نہ ہوسکے گا جو اس کے پیش نظر ہے۔

خوش قسمتی سے ندوۃ العلماء کا قیام اور اس کی خدمت و انتظام کا موقع شروع ہی سے ایسے اہل دل، اہل عزیمت اور اہل بصیرت کو ملا جن کو اس کا پورا احساس تھا اور جنھوں نے ایک عرصہ تک بہت حسن و خوبی کے ساتھ ان دونوں پہلوؤں کے توازن کو برقرار رکھا۔ مولانا سید محمد علی مونگیری رح بانی ندوۃ العلماء اس گروہ کے سرخیل اور اس تخیل اور طریق عمل کا کامیاب نمونہ تھے اور انھوں نے جس جامعیت اور روحانیت اور عالی نظری کا نقشہ پیش کیا وہ اس دور آخر میں ہمارے لئے نشان منزل اور مشعل راہ ہے۔ اور اس سے وہ "شاہراہ" بن گئی ہے جس پر آسانی کے ساتھ اور پورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ چلا جا سکتا ہے۔ قلب و دماغ کے ان حدود و امتیازات اور صفات و کمالات کا صحیح اندازہ کئے بغیر اور دل کی صحیح قدر شناسی کے بغیر ندوۃ العلماء کی تعبیر کبھی مکمل نہیں ہو سکتی جو کسی بڑے کام کے لئے بےحد ضروری ہے۔

ندوۃ العلماء کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ زبان و ادب اور علوم و وسائل کا سرا اس زندہ اور دھڑکتے ہوئے اور یقین و ایمان محبت و اخلاص اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے لطیف پاکیزہ دل سے جوڑ دیا جائے جو علم اور قوت اور ذہانت اور صلاحیت کا خدا کا ایک عطیہ اور نعمت سمجھ کر احترام تو کرے لیکن اس سے مرعوب نہ ہو اس کو مقصود نہ سمجھے اور اس کو پا کر اپنے کو فراموش نہ کردے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ علوم و وسائل اسی وقت معتبر اور مفید ہیں جب ان کا سر رشتہ دل سے وابستہ ہو اور جس طرح کسی شہر کے سارے تار [illegible] دوسرے [illegible] دل کا رشتہ علوم سے جوڑنے اور علوم کا رشتہ دل سے جوڑنے

کے لئے وجود میں آیا ہے۔ اگر دل ان علوم و وسائل سے بلکہ زبان، قلم اور کتاب سے محروم ہے یا اس کے پاس اچھے وکیل، نمائندے، مقرر، ادیب اور مورخ و مصنف نہیں ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا فائدہ محدود اور اس کے اثرات کا دائرہ ہماری ظاہری نگاہ میں بہت مختصر ہے۔ لیکن اگر خدا سے اس کا تعلق درست ہے اور اس کی رضا و قبولیت اس کو حاصل ہے تو پھر کسی معترض اور نکتہ چیں اور ناقد اور مدعی کی ملامت و تنقید یا استخفاف و استہزاء سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔

البتہ اگر ان علوم و وسائل اور زبان و ادب کا رشتہ اس دل سے منقطع ہے اور وہ صحیح مقصد اور صحیح جذبہ اور اخلاص و انابت کی روح سے خالی ہے تو یہ بہت خطرہ کی بات ہے اور کوئی بڑے سے بڑا ذہین بلکہ عبقری انسان اس کے تن مردہ میں روح نہیں پھونک سکتا۔ اور ڈوبتی ہوئی اس کشتی کو "ساحل مراد" پر نہیں پہونچا سکتا۔

اس کے لئے نہ کسی بڑی ذہانت اور علم کی ضرورت ہے اور نہ کسی ادب و خطابت اور سخن فہمی و سخن طرازی کی، اس کے لئے صرف ایک ملاح اور رہبر کی ضرورت ہے جو اس کشتی کو بھنور سے نکال کر اور اس کو ہر زندگی کو تباہی سے بچا لے۔ اس وقت جب زندگی کی کشتی خطرہ سے دوچار ہو اور ایسا معلوم ہو رہا ہو کہ اب ڈوبی اور تب ڈوبی۔ اس وقت علم و فلسفہ، ادب و شاعری اور نغمہ سرائی اور عبارت آرائی "نہ صرف بے وقت کی شہنائی ہے بلکہ اپنی موت کو دعوت دینے اور خودکشی کے مرادف ہے۔ اور اس سے بڑی حماقت اور بدقسمتی (خواہ اس پر علم و فلسفہ کے ہزاروں خوشنما پردے پڑے ہوں اس کے پیچھے کتب خانوں کی ایک پوری دنیا اور اہل علم کا ایک پورا لشکر موجود ہو) تاریخ میں اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

علم اور وسائل کی اس قوت کو صحیح راستہ پر لگانا اور اس کو مفید اور صالح بنانا اور دل کی اس روشنی کو عام کرنا اور اس کو قوت و وسعت عطا کرنا اور ان دونوں کے درمیان اس زبردست خلیج کو پر کرنا جو عرصہ دراز سے پیدا ہو گئی ہے اور کسی طرح پر نہیں ہو رہی ہے۔ ندوۃ العلماء کا بہت اہم اور قیمتی مقصد ہے اور اپنی ساری نزاکتوں اور دشواریوں کے باوجود اس کو عزیز ہے۔

موجودہ دنیا نے اس کام کی اہمیت اور ضرورت اور بڑھا دی ہے، ایک طرف علم ہے لیکن اس کے اندر روح اور جذبہ نہیں، اس کا رشتہ قلب سے ٹوٹ چکا ہے اور وہ صحیح مقاصد، صحیح نیت اور اخلاص و بے غرضی کی دولت سے محروم ہے، دوسری طرف اخلاص و محبت ہے، لیکن وسائل سے محروم اور مادی قوت و ترقی سے تہی مایہ، ایک طرف اعلیٰ دماغ ہیں جو یقین و محبت کے فقدان کی وجہ سے دنیا کے لئے روشنی کا سامان کرنے کے بجائے اس کی تاریکی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اور روشنی میں رہ کر روشنی سے محروم ہیں (بقیہ ص ۲۳ پر)

دار المصنفین کا جشن طلائی

ان سطور کے لکھتے وقت دار المصنفین کے جشن طلائی کی تیاریاں شاید مکمل ہو چکی ہوں، اور اس اہم و تاریخی اجتماع کی ساعت بالکل قریب آ گئی ہو جس کیلئے اہل تعلق و اہل ذوق ایک عرصہ سے چشم براہ تھے دار المصنفین اعظم گڑھ ہمارے ملک کے ان قابل فخر علمی و تصنیفی اداروں میں سرفہرست ہے جن کا کام اور نام ہماری موجودہ علمی تاریخ میں ہمیشہ نقش رہے گا۔ اس نے سیرت نبوی، اسوہ صحابہ، علم الکلام، تاریخ اسلام ادب و تنقید اور تاریخ عام میں جو وقیع اور بیش قیمت لٹریچر تیار کر دیا ہے وہ عالم اسلام کے جدید کتب خانہ میں ایک منفرد و ممتاز حیثیت کا مالک ہے اور اس سے ہماری موجودہ نسل کے اعتبار علمی اور وقار ملی میں اضافہ ہوا ہے۔ ہم دار المصنفین کے ذمہ داروں کو اس روز سعید اور مبارک تقریب پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

دار المصنفین کے اس جشن طلائی کی مسرت میں خود اس کے ذمہ داروں کے بعد جن لوگوں کو سب سے زیادہ مسرت و خوشی ہونی چاہیئے وہ قدرتی طور پر دار العلوم ندوۃ العلماء کے خدام و منتسبین ہیں اور وہ بجا طور پر اس مسرت کے مستحق اور اس خوشی میں شریک ہیں۔

"تعمیر حیات" کی اس اشاعت میں دار المصنفین پر متعدد مضامین اور نظمیں شامل ہیں جن میں اس کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے، اور اس لحاظ سے اس کو دار المصنفین نمبر کہنا بیجا نہ ہوگا یہ اشاعت اصولاً حسب اعلان ۳۲ صفحہ پر مشتمل ہونی چاہیئے تھی لیکن وہ سردست ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی تلافی انشاء اللہ آئندہ کردی جائے گی۔

اپنے گھر سے بیت اللہ تک

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

الحمد للہ کہ روانگی کی تاریخ آئی۔ ع

"دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے"

جس دن کی آرزو لے کر اللہ کے لاکھوں نیک اور مقبول بندے دنیا سے چلے گئے۔ ہزاروں اولیاء اللہ عمر بھر اسی حسرت و اشتیاق میں رہے، وہ ایک ظلوم وجہول بندہ کو نصیب ہو رہا ہے۔ ع

"برایں مژدہ گر جاں فشانم رواست"

بہت چاہا کہ سوائے چند مخصوص دوستوں کے کسی کو خبر نہ ہو، ایسے موقع پر ریا و عجب و خود پسندی سے حفاظت اور اخلاص کامل بڑا اونچا مقام اور اللہ کے مخلص بندوں کا کام ہے، اگر سفر کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی اور اخلاص میں فرق آیا تو بڑا خطرہ ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

لیکن ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو خبر ہو ہی گئی، اے اللہ دل کا نگہبان تو ہی ہے۔ اپنی ناکارگی، گناہوں اور شامت نفس کا پورا استحضار اور تیرے بے استحقاق احسان کا مراقبہ رہے، ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی اہلیت و مقبولیت کا وسوسہ اور ریا کا ادنیٰ شائبہ کبھی نہ آنے پائے۔

اللھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منها شیئاً فاذا فعلت ذلک بنا فکن انت ولینا واهدنا الی سواء السبیل

اے اللہ ہمارے دل، ہماری پیشانی کے بال، ہمارے اعضاء و جوارح سب تیرے ہاتھ میں ہیں تو نے ان میں سے کوئی چیز بھی ہمارے اختیار میں نہیں دی جب واقعہ یہ ہے تو پھر تو ہی ہمارا کارساز رہ اور ہم کو سیدھے راستے پر لگا۔

تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ سفر میں سامان کم سے کم اور بس ضروری چیزیں لیجئے، زیادہ سامان کی وجہ سے بہت سی نعمتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے، آزادی نہیں رہتی اور بعض اوقات غلط کام کرنے پڑتے ہیں، جن کا ہمیشہ افسوس رہتا ہے۔

دیکھتے دیکھتے چلنے کا وقت آ گیا۔ مگر وہ وقت نہیں ہے۔ ہر سفر کا آغاز دو رکعت نفل اور دعا سفر سے مسنون ہے نہ کہ اتنا طویل، مبارک اور نازک سفر جس میں ہر آن خطرہ پونجی کے ڈوب جانے اور قلب و نیت کے قزاقوں کی رہزنی کا ہے، ساری عمر کا خشوع اگر اس ایک نماز میں اور زندگی بھر کا تضرع اگر آج کی دعا میں آ جائے تو بڑی بات نہیں جسم و جان، قلب و ایمان، بر و بحر کے خطرے اس ایک سفر میں جمع ہیں، ہار جیت کا سفر ہے، ہار بھی ایسی کہ اس کے برابر کوئی ہار نہیں۔ اللہ کے گھر جائے اور اپنی شامت اعمال سے خالی ہاتھ آئے بلکہ گناہوں کی گٹھڑی الٹی پیٹھ پر لاد کر لائے۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے

اور جیت بھی ایسی کہ کوئی فتح اور کامرانی اس کے برابر نہیں، گناہوں سے پاک دھویا دھلایا، جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ (بخاری و مسلم)

جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کے لئے حج کیا اور بے حیائی اور گناہ سے محفوظ رہا تو وہ پاک ہو کر ایسا لوٹتا ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے روز تھا۔

وہ سفر جس کا انعام جنت ہے۔

الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ (بخاری و مسلم)

حج مقبول کی جزا جنت ہی ہے۔

اس سفر کے لئے جو کچھ بھی مانگا جائے اور جس طرح دل کھول کر مانگا جائے کم ہے۔ مگر نا تجربہ کار عقل، پریشان دماغ، مضطرب دل، تھکا ہوا جسم، وقت تھوڑا، گھبراہٹ، کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر ضروری باتیں زبان پر آ جائیں اور ضروری باتیں رہ جائیں لیکن قربان رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جیسے ہر دینی و دنیاوی ضرورت کے لئے جچی تلی دعائیں اور ہر شعبۂ زندگی کے لئے منتخب دعائیہ الفاظ امت کو عطا کر گئے۔ سفر کی بھی ایسی مکمل دعا تعلیم کر گئے جس میں نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ کسی ترمیم کی اور صدہا احسانات کے ساتھ اس احسان کا بھی استحضار کر کے محبت و عظمت کے ساتھ درود پڑھ کر یہ مسنون و ماثور الفاظ کہے۔

اللھم انا نسألک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما تحب وترضی اللھم ھون علینا سفرنا ھذا واطو عنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر وسوء المنقلب فی المال والاھل والولد (مسلم)

اے اللہ ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور احتیاط کے طالب ہیں اور ایسے اعمال کے جو تجھے پسند ہوں، اے اللہ ہمارے سفر کو ہمارے لئے آسان اور ہلکا بنا دے اور اس کی مسافت کو لپیٹ دے۔ اے اللہ تو سفر میں بھی ہمارے ساتھ ساتھ ہے اور گھر میں بھی ہمارے پیچھے نگراں اور خیال رکھنے والا ہے اے اللہ میں تجھ سے سفر کی کلفت اور ایسی چیز سے پناہ چاہتا ہوں جسے دیکھ کے کوفت ہو اور مال و اہل و عیال کی طرف بری واپسی سے

گھر سے رخصت ہوتے سب کو اللہ کے حوالے کیا اور اللہ کے حفظ و امان میں دیا۔ رخصت کرنے والوں نے بھی مسنون الفاظ میں اللہ کے گھر کے مسافر کو اللہ کی ودیعت و حفاظت میں دیا اور کہا:

استودع اللہ دینک وامانتک وخواتیم اعمالک

میں اللہ کی امانت میں دیتا ہوں تمہارا دین اور تمہاری امانت اور تمہارے اعمال کا انجام۔

جس وقت گھر سے نکلے سفر شروع ہو گیا اور زبان پر یہ مسنون الفاظ آ گئے۔ جو بالکل مناسب حال ہیں

اللھم بک انتشرت والیک توجہت وبک اعتصمت وعلیک توکلت انت ثقتی وانت رجائی اللھم اکفنی ما اھمنی وما لا اھتم بہ وما انت اعلم بہ منی عز جارک وجل ثناؤک

اے اللہ میں تیرے سہارے چل کھڑا ہوا ہوں اور تیری طرف رخ کر دیا ہے اور تجھے مضبوط پکڑ لیا ہے اور تجھ پر بھروسہ کیا ہے، تو ہی میرا سہارا ہے تو ہی میرا آسرا ہے جس چیز کی مجھے فکر ہے اور جس کی مجھے فکر نہیں اور جس کو تو زیادہ

و لا الٰہ غیرک اللہم زودنی التقویٰ واغفرلی ذنوبی ووجہنی للخیر اینما توجہت

جانتا ہے سب کا تو خود ہی انتظام فرمادے، تیرے جوار میں آنے والا غالب و محفوظ ہے تیری مدح و توصیف بلند ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تقویٰ کو میرا زاد راہ بنا، میرے گناہوں کو معاف فرما اور جس طرف رخ کروں خیر ہی کی طرف میرا رخ کر

گاڑی آگئی، مسافروں کو ایذا دیے بغیر سوار ہوئے، سامان کو قرینہ سے رکھا۔ بقدر ضرورت جگہ گھیری، وضو اور نماز کا انتظام کر لیا، سفر کے اس ہنگامہ اور شور و غل میں بھی اپنے سفر کی عظمت، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف توجہ اور اپنی بے بسی کا احساس قائم ہے، لوگوں سے محبت کے ساتھ رخصت ہوئے اور سفر کی کامیابی اور مقبولیت کے لئے خود ان سے دعا کی درخواست کی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سادہ دل بندوں میں کتنے مقبول بارگاہ ہوں گے اور کتنوں کے جسم یہاں اور دل وہاں ہوں گے، اور کتنے بہت سے حجاج سے افضل ہوں گے۔

گاڑی روانہ ہوئی، اپنے ہم سفروں سے تعارف حاصل ہوا، ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ سفر کی سنت اور حکم ہے کہ ساتھیوں میں سے ایک کو سفر کا امیر بنا لیا جائے، سب نے اتفاق کیا اور ایک صاحب علم اور منتظم رفیق کو امیر بنایا، انھوں نے سب کی خدمت و راحت کا عزم کیا، حج کے رفیقوں کو مخاطب کر کے اس سفر کی عظمت اور اس کے آداب و حقوق مختصر طریقے پر بیان کئے، نماز کا وقت آیا۔ ساتھیوں کو نماز کی طرف متوجہ کیا اور اعلان کیا کہ انشاء اللہ نماز جماعت کے ساتھ ہوگی۔ گاڑی جنکشن پر پہونچنے والی ہے۔ گاڑی ٹھہری اپنی جگہ کے محفوظ رہنے کا انتظام کیا، سب نے وضو کیا پلیٹ فارم پر اذان ہوئی، امام نے وقت کا خیال کرتے ہوئے مختصر نماز پڑھائی۔ لوگ اپنی اپنی جگہ آگئے۔ موقع ہوا تو سنتیں اور نوافل کھڑے بیٹھے پڑھ لئے۔ اگلی نماز کے وقت اتر کر پڑھنے کی مہلت نہ تھی۔ گاڑی کے اندر ہی جماعت کا اہتمام ہوا۔ مسافروں سے کہہ سن کر جگہ کی اور فرض کھڑے ہو کر ادا کئے، بعض نمازوں میں سب نے ایک ہی جماعت سے نماز پڑھی، بعض اوقات دو دو تین تین نے مل کر ایک ایک جماعت کر لی۔ رات کو سونے میں اترنے اور چڑھنے میں کسی چیز میں بھی کشمکش کی نوبت نہیں پیش آئی۔ لاجدال فی الحج، حج میں جھگڑا

جھگڑا نہیں، اس کی مشق یہیں سے شروع ہو گئی، الحمدللہ رفیقوں کو اعتماد اور مسافروں کو انس ہو گیا۔ اس سے خود کو بھی راحت ملی اور دوسروں کو بھی عافیت ہوئی۔ اور زیادہ خرچ کرنے سے بھی جو آرام نہ ملتا وہ ایثار و خدمت سے ملا کم خرچ بالا نشین اسی کو کہتے ہیں۔

راستہ میں دین ہی کا تذکرہ اور دین ہی کا مشغلہ رہا، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی "فضائل حج" مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کی "زیارۃ الحرمین" مفتی صاحب مظاہر العلوم کی "معلم الحجاج" مولانا عبدالماجد دریابادی کا "سفرنامہ حجاز" شیخ عبدالحق دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی "جذب القلوب الی دیار المحبوب" ساتھ ہے۔ راستہ میں خواہ مخواہ کی وقت گزاری اور لایعنی گفتگو کی نوبت ہی نہیں آئی، مولوی احتشام الحسن کاندھلوی کی "رفیق حج" کے متعدد نسخے ساتھ ہیں، ساتھیوں کو دے دیئے کہ ایک دوسرے کو پڑھ کر سنائیں۔

بات کرتے کرتے آخری اسٹیشن آگیا، مسافر اترے، سامان اترا، سب کو اتار کر اور سب کچھ دیکھ بھال کر امیر صاحب اترے، قافلہ مسافر خانے پہونچا سب اپنی اپنی جگہ مقیم ہوئے، مستورات کے پردے کا پورا انتظام کیا، ابھی جہاز کی روانگی میں ایک ہفتہ باقی ہے، اکثر ضروریات سفر ہمراہ ہیں، پاسپورٹ بن چکا ہے، اگر نہیں بنا تو آسانی سے بن جائے گا۔ ٹکٹ کا مرحلہ بھی مشکل نہیں۔ سب کی صلاح ہوئی کہ یہ ہفتہ اپنی تیاری اور حجاج کی خدمت گزاری میں صرف ہو سنا ہے کہ جس نوع کی خدمت مسلمانوں کی کی جائے اسی نوع کی مدد اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو مسلمانوں کو روٹی کھلائے گا۔ اللہ اس کی روٹی کا انتظام فرمائے گا۔ جس کو مسلمانوں کی نماز کی فکر ہو گی۔ اللہ اس کی نماز کی حفاظت اور اس کی ترقی کا انتظام فرمائے گا۔ اس لئے اگر حجاج کی حج کی صحت اور اس کی روح کی فکر کی جائے گی تو ہمیں بھی اپنے حج کی مقبولیت اور اس کی روحانیت کی امید کرنی چاہیے۔ اللّٰہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ (جب تک ایک شخص اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے) قرار یہ پایا کہ حجاج کا دائرہ بہت وسیع ہے، کسی ایک کے بس کی بات نہیں، اس لئے جماعتیں بنائی جائیں اور اجتماعی طور پر نظم و انتظام سے کام شروع کیا جائے۔ خوش قسمتی سے تبلیغی جماعت کے افراد موجود ہیں، جو حجاج کی دینی ضروریات کی تکمیل

اور حج کے مسائل و فضائل لوگوں تک پہونچانے کی سعی کرتے ہیں، ان کی جماعت کو تلاش کر کے ان میں شرکت کی جو معلومات کتابوں کے مطالعہ سے مشکل سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ان کے ذریعہ ان کے تجربوں سے آسانی سے حاصل ہو گئے۔ مسافر خانہ اور حاجی کیمپ میں حجاج کی حالت دیکھ کر سخت قلق ہوتا ہے، حج کا سا عظیم الشان اور مقدس سفر جو سراسر عشق و محبت کی تکمیل اور ایمان و تقویٰ کی تصویر ہے اور حالت یہ کہ فرض نمازوں تک کا اہتمام نہیں" بیچ مسافر خانہ میں مسجد بنی ہوئی ہے، جہاں پانچ وقت باواز بلند اذانیں ہوتی ہیں وضو، غسل کا انتظام ہے۔ مگر ذرا سی حقیقی و خیالی ضرورتوں کی وجہ سے بے تکلف جماعت چھوڑ دی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ منظر یہ ہے کہ بغیر کسی مشغولیت کے بھی بیسیوں آدمی نمازیں قضا کرتے ہیں، وقت مقرر ہوا، جماعتیں بنیں، حجاج کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، سامان کی تیاری میں سخت انہماک ہے۔ مگر اصل تیاری سے پوری غفلت۔ ضرورت کی کوئی چیز جس کی ممکن ہے پورے سفر میں ضرورت نہ ہو، رہ نہ جائے۔ مگر دین کے مبادی اور ارکان کی طرف بھی توجہ نہیں، سب سے اہم مسئلہ زندگی کی سب سے بڑی ضرورت اور حج کی بنیاد، مگر خدا معاف کرے ہمارے دوستوں کو بات سننے کی بھی فرصت نہیں، بہرحال خوشامد در آمد سے متوجہ ہوئے، دیکھ کر عقل حیران ہو گئی کہ کئی صاحبوں کا کلمہ تک درست نہیں، اور مفہوم سے تو بہت کم آشنا، جماعتوں کی حاضری کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا کہ مسافر خانہ کی مسجد میں نماز و عقائد حج کے متعلق روزانہ کچھ عرض کیا جاتا رہے گا، آپ ضرور تشریف لائیں۔ یہ تیاری ہر تیاری پر مقدم ہے، ہمارے امیر صاحب نے اور دو ایک اور عالموں نے صبح اور عشا کے بعد کچھ بیان کرنا بھی شروع کیا، اور معلوم ہوا کہ حجاج میں احساس و توجہ کی ایک لہر پیدا ہوئی، اور بہت سے لوگ گویا سوتے سوتے چونک پڑے۔ "الفرقان" میں کام کا جو نقشہ دیا گیا تھا[1] اس کے مطابق تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا گیا، اور الحمدللہ بہت مفید و موثر ثابت ہوا۔

لیجئے جہاز کی روانگی کا دن آپہونچا، آج بڑے ہنگامہ کا دن ہے، میدان حشر کا ایک نمونہ ہے نفسی نفسی

[1] جس سال یہ مضمون لکھا گیا تھا، اسی سال ایک دو مہینے پہلے حجاج میں تعلیمی و تبلیغی کام کا ایک نقشہ اور پروگرام لکھا گیا تھا، اس کی طرف اشارہ ہے ۱۲

کا عالم ہے۔ ہر ایک کو اس کی فکر ہے کہ اس کو بھی سے ابھی جگہ مل جائے۔ اور سامان محفوظ رہے۔ قانونی مراحل سب طے ہو گئے، سامان جہاز پر پہونچا، اب سوائے اللہ پر بھروسہ کے کوئی چارہ نہیں، جہاز پر داخلہ شروع ہو گیا۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے یہ دن دکھایا۔ خدا وہ دن بھی دکھائے کہ سرزمین مقدس پر اترنا ہو، سفر عشق میں سامان راحت کا کیا سوال، پھر بھی اللہ کے احسان کے صدقے کہ ہم ضعیفوں کو امتحان میں نہیں ڈالا۔ اور راحت و عافیت کی جگہ عطا فرمائی۔ لیجئے وہ سیٹی ہوئی، وہ لنگر اٹھا۔ وہ ہاتھ سلام کے لئے اٹھے۔ وہ رومال وداع کے لئے ہلے۔ ان سب کو سب نے دیکھا۔ مگر بہتے ہوئے آنسوؤں کو کس نے دیکھا۔ اور گلوگیر آواز کو کس نے سنا۔ جانے والو! حج و زیارت تم کو مبارک ہو۔ مومن کی معراج تم کو مبارک ہو ہم مہجوروں کو نہ بھولنا۔ ؎

"ہمیں بھی یاد رکھنا جب دربار میں آئے"

جہاز روانہ ہوا، سامان قاعدے سے لگایا۔ نئی جگہ کا جائزہ لیا۔ اب بڑی فکر اس کی ہے کہ نمازوں کا انتظام کیا ہوگا۔ یہ بارہ چودہ دن جن سے زیادہ فرصت کے اوقات برسوں میں نصیب نہ ہوئے ہوں گے۔ کس طرح گزریں گے، تیاری کی ایک مہلت اور عمر بھر کی غفلتوں کی تلافی کا ایک موقع ملا ہے۔ شامت اعمال سے یہ بھی کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ مشورہ کیا۔ چل پھر کر دیکھا۔ معلوم ہوا کہ جہاز کی بالائی منزل پر نماز کے لئے ایک وسیع جگہ ہے، سمت قبلہ بتلانے کے لئے (جو جہاز پر ایک مشکل مسئلہ ہے۔) جہاز کی طرف سے انتظام ہے۔ چنانچہ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا گیا کہ اذانیں انشاء اللہ وقت پر ہوں گی۔ حاجی صاحبان نماز کے لئے اذان کا انتظار کریں۔ ورنہ اس کا خطرہ ہے کہ بے وقت نماز پڑھ لی جائے۔ بالائی منزل پر نماز با جماعت ہوگی۔ قبلہ بتلانے کے لئے جہاز کی طرف سے انتظام ہوگا۔ بغیر تحقیق کے نماز نہ پڑھی جائے۔ الحمدللہ جماعت شروع ہو گئی، امام و موذن کا تعین ہو گیا۔

خیال ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر سے فائدہ اٹھایا جائے اور حجاج کو ان کی قیام گاہوں پر مفید اور ضروری باتیں پہونچائی جائیں۔ چنانچہ ایسے اوقات میں جو کھانے اور ناشتہ اور سونے سے فراغت کے ہیں، تقاریر کا انتظام کیا گیا۔ کوشش یہ کی گئی کہ دین کے عام احساس اور حج کی عظمت اور اس کے لئے تیاری کا خصوصی خیال پیدا کرنے والی اور دینی جذبات اور احساس ذمہ داری کو بیدار کرنے والی تقریریں کی جائیں چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہوا اور ہر مسافر نے بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے اپنی جگہ اس سے فائدہ اٹھایا مستورات بھی مستفید ہوئیں۔

جہاز کے دن کامل فراغت و فرصت کے ہیں۔ زندگی کی سب سے بڑی مصروفیت نقل و حرکت تھی۔ مکان، دوکان، کارخانہ، دفتر، سڑک، باغ، محلہ، شہر۔ یہاں کچھ نہیں۔ نیچے نیلا سمندر، اوپر نیلا آسمان۔ ان دونوں کے درمیان لکڑی کے ایک تختہ پر انسانوں کی یہ بستی، کوئی کہیں آ جا بھی نہیں سکتا، کہاں جائے۔ گھوم پھر کر وہی ایک عرشہ، وہی لکڑی اور لوہے کا چھوٹا سا ٹکڑا ہوا گاؤں، نقل و حرکت کی جو کچھ عمر بھر کی عادت اور ہوس تھی۔ بیچ اور دور سرنے اس کو بھی پابند کر دیا۔ گویا سارے متوقین و بد شوق طالب علم امتحان سے پہلے مطالعہ کے ایک کمرے میں بند کر دیئے گئے۔ حقیقت یہ ہے اگر اب بھی امتحان کی تیاری نہ کریں یا خیال ہو کہ جماعتوں کے گشت، انفرادی تبلیغ اور تعلیم و تلقین کا اس سے بہتر وقت اور مقام نہیں ہو سکتا۔ ناشتہ اور چائے کے بعد مسجد میں تعلیم کا اعلان ہوا۔ اور عصر کے بعد گشت کا نظام بنا، یہاں بھی وہی انکشاف جو پہلے ہوا تھا۔ دین کے مبادی و ارکان سے ناواقفیت، حج کے حقوق و آداب سے غفلت، آج مسلمانوں کی یہ آبادی سمندر کے کسی جزیرہ سے تو نہیں آئی ہے، اسی ہندوستان (یا پاکستان) سے آئی ہے جہاں تجارت و منفعت عام ہے۔ حجاج مسلمانوں کی عام آبادی ہی کا جز ہیں، ان سے کسی چیز میں ممتاز اور عام حالات سے مستثنیٰ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ ان کا بڑا حصہ علمی و دماغی حیثیت سے پسماندہ اور غیر تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔[1]

حج کو جہاد کی ایک قسم کہا گیا ہے۔ اور افضل قسم: افضل الجہاد حج مبرور۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: شدوا الرحال فی الحج فانہ احد الجہادین" حج میں اپنے کجاوے مضبوط کسو، اس لئے کہ وہ بھی ایک جہاد ہے۔ جہاز کا سفر اس سفر جہاد کا ایک مستقل نمونہ ہے۔ دوران سفر کی اضطرابی کیفیت اور اس میں نمازوں کی ادائیگی اچھا خاصا جہاد ہے۔ اس جہاد میں کامیابی بغیر دینی تربیت اور پختہ عزیمت کے ممکن نہیں۔ جو لوگ بغیر کسی عذر کے بھی نماز کے پابند نہیں ان سے ایسی آزمائشوں کے ساتھ نماز و جماعت کا اہتمام بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے بڑی ایمانی قوت کی ضرورت ہے۔ اور اس ایمانی قوت کے پیدا کرنے کا ہمارے موجودہ نظام سفر میں کوئی اہتمام نہیں۔ الحمدللہ وعظ و تبلیغ سے کسی حد تک نفع ہوا۔ اور بہت سے لوگوں نے نمازوں کا اہتمام رکھا

[1] اگر خوش قسمتی سے تبلیغی جماعت موجود ہو تو بہتر، ورنہ کسی جہاز پر نہ ہو تو مولانا محمد منظور صاحب نے حج کے سفر کے سلسلہ میں کام کا جو خاکہ شائع کیا ہے اسی تفصیل کے مطابق جماعت بنائی جائے اور کام شروع کر دیا جائے۔ ۱۲

جو لوگ درد و سرور اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھے۔ اور نقل و حرکت سے معذور تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ لیٹے لیٹے بھی اللہ کا ذکر زبان اور دل سے کرتے رہے۔

حج کے دو مستقل شعبے ہیں، ایک تو ادائے فرض کا جس میں مومن کی اطاعت و انقیاد کا امتحان اور مظاہرہ ہے۔ ایک محبت و عشق کا جس میں اس کی عاشقانہ کیفیت اور والہانہ محبت کا ظہور مطلوب ہے۔ اور سچ پوچھئے تو حج کی روح اور حضرت ابراہیمؑ کی میراث یہی عشق و محبت ہے۔ حج میں انھیں دبی ہوئی چنگاریوں کا ابھارنا اور اسی محبت کی تربیت اور ترقی مقصود ہے۔ بعض طبیعتوں کے خمیر میں عشق و محبت داخل ہوتی ہے ان کو حج سے فطری مناسبت ہوتی ہے۔ اس کے سب مشکلات ان کے لئے آسان اور اس کے سب مناسک و ارکان ان کی روح کی غذا اور ان کے درد کی دوا ہوتے ہیں۔ اگر یہ محبت و عشق فطری نہیں اور طبیعت خشک اور قانونی محض واقع ہوئی ہے تو مناسب ہے کہ کسی طریقے سے کسی نہ کسی درجہ میں محبت کی حرارت پیدا کی جائے اس لئے کہ اس کے بغیر بعض اوقات حج ایک قالب بے روح سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ محبت میں اکتساب کو اچھا خاصا دخل ہے۔ اس کے دو آزمودہ طریقے ہیں۔ ایک محبوب کے جمال و کمال اور اس کے احسانات و کمالات کا مطالعہ و مراقبہ دوسرے اہل محبت کی صحبت اور اگر وہ میسر نہ ہو تو ان کے عاشقانہ واقعات، حج سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے یہ دونوں راستے ممکن ہیں۔ پہلے کا ذریعہ تلاوت اور ذکر و فکر ہے دوسرے کا ذریعہ عشاق و محبین اور شہیدان محبت کے پراثر واقعات ہیں جن میں صدیاں گزر جانے کے بعد بھی تازگی اور گرمی باقی ہے۔ اور اب بھی وہ دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیتے اور بجھے ہوئے دلوں کو تڑپا دیتے ہیں۔ شیخ دہلوی کی "جذب القلوب" اور شیخ الحدیث سہارنپوری کی "فضائل حج" نیز حضرت جامی وغیرہ کی عاشقانہ غزلیں اور نعتیہ کلام اس مقصد کے لئے بہت مفید ہیں۔

- بے نیاز رہو۔ بے نیاز رہو اور کسی سے مسواک کی حقیر لکڑی بھی نہ مانگو۔
- دل سے پوچھو۔ ہر بات اپنے دل سے پوچھ لیا کرو۔
- استقامت، استقامت — پیدا کرو اور لوگوں سے خوشی کے ساتھ پیش آؤ۔

دار المصنفین —— ایک علمی ادارہ

وحید الدین خاں

اگر آپ اعظم گڈھ شہر کے شمال جانب چلیں تو شہر کے آخری سرے پر ایک بڑی سی چار دیواری کے اندر کچھ عمارتیں نظر آئیں گی۔ یہ شہر کے اندر مگر شہر سے الگ ایک بستی ہے جس میں کچھ لوگ اپنی میزوں پر جھکے ہوئے تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی مدد کے لئے اس کے اندر ایک قیمتی کتب خانہ ہے، جہاں اسلامی علوم، خاص طور پر تفسیر، حدیث، اسلامی تاریخ اور عربی لغات کا نہایت عمدہ منتخب ذخیرہ یکجا کیا گیا ہے —— اسی کا نام دار المصنفین ہے۔ جس کو مولانا شبلی نے قائم کیا۔ سید سلیمان ندوی نے جس کو علمی حیثیت دی اور مسعود علی ندوی نے جس کی ظاہری شکل کو آراستہ کیا۔ اور اب تقریباً آدھے درجن ندوی اور غیر ندوی جس کے قیام و استحکام کے لئے ہمہ تن مصروف نظر آتے ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی (رفیق دار المصنفین) کا بیان ہے کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا —— "اتنا پڑھو اتنا پڑھو کہ لکھنے لگو، اس کے بعد لکھو" یہ سادہ سے الفاظ دار المصنفین کا بہترین تعارف ہیں، دار المصنفین ایک علمی و تحقیقی ادارہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ کچھ اہل علم کو فارغ کرکے اس کا موقع دیا جائے کہ وہ ایک موضوع پر بہت زیادہ پڑھیں، اور جب وہ اپنے موضوع پر خوب تیار ہو چکیں ہوں تو اس پر قلم اٹھائیں۔

لکھنے پڑھنے کے کام کی کئی قسمیں ہیں۔ اس کی ایک قسم یہ ہے کہ جب کوئی عنوان سامنے آئے تو بروقت جو معلومات ذہن میں ہوں، اس کے تحت ایک تقریر یا تحریر تیار کرکے پیش کر دی جائے۔ اس طریقہ میں اصلاً معلومات نہیں بلکہ اپنے جذبات و خیالات زبان کے رہنما ہوتے ہیں۔ اس لئے تقریباً تمام ہی میں تضاد و بدنمائی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طریقہ دعوتی اور تبلیغی ذہنیت کا کام کرنے والوں میں خصوصیت کے ساتھ مقبول ہے۔ مگر اس طریقے کے لازمی نتیجے کے طور پر اس میں اکثر علمی خامیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک صاحب نے اسلامی معاشیات پر کتاب لکھی ہے۔ دعوتی حیثیت سے یہ کتاب کافی کامیاب ہے۔ مگر اس میں اشتراکیت پر تنقید کرتے ہوئے یہ جملہ ملتا ہے:

"مارکس نے صفحے کے صفحے مساوات کے موضوع پر کالے کر دیے ہیں"

اس پر جوش فقرے کا ماخذ صرف خطابت ہے نہ کہ مارکس کی کسی کتاب کے صفحات۔ کیونکہ مارکس کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ وہ "معاشی مساوات" کا مبلغ نہیں تھا۔ "یوٹوپین" سوشلسٹوں میں ضرور کچھ لوگ مساوات ملکیت کے حامی رہے ہیں۔ مثلاً فرانسیسی سوشلسٹ (PIERRE LEROUX) یا مارٹ (MART) وغیرہ مگر جہاں تک مارکس کا تعلق ہے۔ اس نے کبھی مساوات کے مبلغ کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا "مساوات" تو ایک اخلاقی لفظ ہے۔ اور مارکس کسی علیحدہ اصول اخلاق کا قائل ہی نہیں تھا۔ پھر وہ مساوات کی تبلیغ کس طرح کرتا۔

علمی کام کی دوسری قسم یہ ہے کہ لکھنے سے پہلے کچھ متعلقہ کتابیں دیکھ لی جائیں۔ مگر یہ دیکھنا "انڈکس" کی مدد سے ہو۔ یعنی خود کتاب کو اول تا آخر نہ پڑھا جائے بلکہ فہرست اور انڈکس میں یہ تلاش کیا جائے کہ کہاں کہاں اپنے موضوع سے متعلق کوئی بات مل سکتی ہے اور بس ان حصوں کو دیکھ کر مضمون تیار کر دیا جائے۔ یہ طریقہ بھی در اصل پہلے ہی طریقے کی مانند ہے۔ اور اس میں صرف اتنا اضافہ ہے کہ آدمی اپنے موجود خیالات کے حق میں کچھ اقتباسات جمع کر دیتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ تو یہ ضروری ہے کہ اصل بات بس اسی قدر ہو جتنی ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود تھی اور نہ یہ ضروری ہے کہ انڈکس کی مدد سے ہم نے کتاب کا جو صفحہ کھولا ہے، وہی ہمارے مقصد کے لئے سب سے زیادہ مفید ہو۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ موضوع کا کوئی اہم پہلو یا کتاب کے اہم ترین مقامات آدمی کی نظر سے اوجھل رہ جاتے ہیں اور نسبتاً کم تر درجہ کے دلائل یا اقتباسات پر وہ تکیہ کر لیتا ہے۔ نیز یہ طریقہ خواہ عوام کے لئے جاذب نظر ہو مگر وہ اہل علم کو متاثر نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ فوراً محسوس کر لیتے ہیں کہ آدمی اصل موضوع سے پوری طرح آشنا ہو کر نہیں بول رہا ہے بلکہ وہ ایک ایسا دکاندار ہے جس نے ادھر ادھر سے کچھ چیزیں اچک لی ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک دکان کھول دی ہے۔

تیسری صورت میں آدمی کتاب تو پوری دیکھتا ہے مگر یہ کتابیں وہ ہوتی ہیں۔ جن میں کسی بات کا بالواسطہ تعارف کرایا گیا ہے۔ یعنی وہ کتابیں جو کسی موضوع کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی شخص نے لکھی ہوں، یہ طریقہ نسبتاً زیادہ علمی ہے۔ مگر اس میں بھی یہ اندیشہ ہے کہ جس شخص نے بنیادی لٹریچر کا مطالعہ کرکے اپنی کتاب تیار کی ہے۔ اس سے کوئی چیز چھوٹ گئی ہو یا بالقصد کسی وجہ سے اس نے ایسے اجزا کو حذف کر دیا ہو جو ہمارے نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا۔ ڈاکٹر ہٹی نے اپنی کتاب "اسلام اینڈ دی ویسٹ" میں لکھا ہے کہ اسلام دشمنی میں اہل مغرب نے "محمد" کے تلفظ کو طرح طرح سے بگاڑ کر استعمال کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے حوالے سے اس کی اکتالیس شکلیں گنائی ہیں (MAHOMET 19) (MAHOUND 11) (MOHAMMAD 5) (MUHAMMAD 1)

لیکن میں نے مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ہٹی اس کے تلفظ کی ایک سب سے زیادہ بگڑی ہوئی شکل کو شمار کرنا بھول گئے۔ اور وہ ہے (MAUMET) جس کی تنہا وہ درجن سے زیادہ شکلیں ڈکشنری میں نقل کی گئی ہیں، اور اس کو ملانے کے بعد یہ عدد ستر تک پہونچ جاتا ہے۔ اس فروگذاشت کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ انھوں نے ڈکشنری میں صرف Muh . Moh . Mah کے تحت دیکھا حالانکہ اس بگاڑ کی ایک صورت وہ بھی جس میں ایچ H کی آواز سرے سے غائب ہو گئی ہے۔

یہ چند مثالیں محض مدعا کی وضاحت کے لئے دی گئی ہیں۔ ورنہ علمی کام کرنے والوں کو روزانہ ہی اس قسم کی مثالوں سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے۔

دار المصنفین مندرجہ بالا تقسیم کے اعتبار سے آخری نوعیت کا ادارہ ہے جہاں یہ تربیت دی جاتی ہے کہ متعلقہ موضوع کی پوری تحقیق کے بعد کوئی بات کہی جائے۔ اور براہ راست ماخذوں سے مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ تفسیر جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی کچھ دنوں دار المصنفین میں رہے ہیں وہ راوی ہیں کہ سید صاحب مرحوم کو اپنی ایک کتاب کے لئے کسی اقتباس کی ضرورت تھی۔ مولانا اویس صاحب نے ایک اقتباس ڈھونڈ کر نکالا۔ مگر صرف اس بنا پر کہ وہ اقتباس کسی متقدم کا نہیں بلکہ متاخر کا تھا۔ سید صاحب نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا —— "میری کتاب خراب نہ کرو"

دار المصنفین کا پچاس سالہ جشن کیوں

سعید الرحمن الاعظمی

دار المصنفین اعظم گڈھ جو نہ صرف برصغیر ہند و پاک میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے بلکہ پورے عالم اسلام میں وہ اپنی نادر روزگار اور بیش بہا علمی و ادبی خدمتوں کی وجہ سے منفرد ہے اگر اپنی خدمات سے ملک کو روشناس کرانے اور علمی طبقہ میں اپنی اہمیت واضح کرنے کے لئے کوئی ایسا اجتماع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں ہر طبقۂ علم اور مکتب فکر کے نمائندے اور اہل علم و بصیرت جمع ہوں تو یہ کوئی ایسی بات نہ ہوگی جس پر تعجب یا حیرت کا اظہار کیا جا سکے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ماضی میں بھی اس طرح کے اجتماعات منعقد ہونے کی ضرورت تھی، اور بلاشبہ نصف صدی پورے ہونے کے انتظار میں یہ کام کافی موخر ہو گیا۔

دار المصنفین ہی وہ واحد ادارہ ہے جس نے بلند نظر اور ژرف نگاہ علماء و مصنفین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو عہد حاضر میں اسلام کی خدمت کے میدان میں ایک اہم خانہ پر کرتے ہیں اور جو موجودہ متمدن دنیا میں وہ کردار ادا کر سکتے ہیں جو دنیا کے بڑے سے بڑے مفکر کو اسلام کے ابدی اور ہمہ گیر پیغام پر غور کرنے اور سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، اس ادارہ نے جس پروگرام کو اپنایا اور جس نقطۂ نظر کو عام کرنے کی ذمہ داری قبول کی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک و قوم میں ایک عظیم ذہنی اور فکری انقلاب برپا ہوا، اس نے زندگی کے ہر میدان میں اور علم و ادب کے ہر شعبہ میں جو خدمت انجام دی ہے وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، اور جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں،

اگر ہم آج سے پچاس سال قبل ہندوستان کی علمی اور فکری تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ بات بالکل واضح طور پر نظر آئے گی کہ اس وقت ہندوستان میں ہر قسم کی تعلیمی اور تمدنی خدمت کے لئے کوئی نہ کوئی مرکزی ادارہ موجود تھا لیکن "صرف مصنفین کا ایک ایسا بے سروسامان گروہ تھا جس کی وابستگی کے لئے ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی مرکز موجود نہ تھا" (پمفلٹ دار المصنفین ص ۲)

اور صرف یہی نہیں بلکہ مستشرقین یورپ نے جب اسلامی علوم و آداب پر تحقیق کا کام شروع کیا تو ان میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہوا جس نے مخالفانہ نقطۂ نظر سے اسلامی علوم و آداب پر نظر ڈال کر "تحقیق و ریسرچ" کے نام سے ایک نیا محاذ جنگ قائم کیا اور اسلام، داعی اسلام، اور اسلامی علوم و آداب اور اسلامی تہذیب و تمدن پر اس نے بے پناہ حملے شروع کر دیے" (ایضاً ص ۴)

یورپ کے اسی قسم کے لٹریچر سے جو بظاہر تحقیق و ریسرچ کا ایک مرقع تھا، اسلام کو ایسا شدید نقصان پہنچا کہ اگر اس زہر قاتل کا کوئی تریاق نہ تیار کیا جاتا تو اسلامی علوم و فنون شکوک و شبہات کا ایک ذخیرہ بن کر رہ جاتے جو ذہن و دماغ کو متاثر کرتے اور اسلام کی برتری اور اس کی ابدیت سے انکار کا ذہن پیدا کرنے کے لئے ایک بہت بڑا محرک ثابت ہوتا۔

مولانا شبلی نے یہ سب کچھ دیکھا ان کی ناقدانہ نظر اور زمانہ شناس نگاہ نے علوم و آداب کی راہ سے اسلام پر کئے جانے والے اس حملہ کا احساس کر لیا۔ انھوں نے اپنے احباب و تلامذہ کی ایک جماعت کے ساتھ دار المصنفین کو اسی مقصد کے لئے قائم کیا کہ اسلامی علوم و آداب اور اسلامی تاریخ کو تحریفات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے سرچشمۂ ہدایت کو جاری رکھنے کے لئے انھوں نے ایسا انقلابی قدم اٹھایا جس کی بنیاد محض اخلاص اور خدمت دین پر تھی۔

اس انقلاب کو دار المصنفین کے نام سے لوگوں نے جانا اور سنا، اور اس عہد کے لوگوں نے اس کے اندر اس زندہ تحریک کا تصور کیا جو اس سے قبل ندوۃ العلماء کے نام سے لوگوں میں روشناس ہو چکی تھی، دار المصنفین بھی اسی کے چشمۂ حیوان کا ایک دھارا تھا جو اعظم گڈھ کی سرزمین پر ابلا، اور کتنے ہی تشنگان علم و فن اس سے سیراب ہونا شروع ہوگئے۔

دار المصنفین کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لینا کوئی معمولی بات نہیں۔ علم و فن اور ادب و تاریخ کے میدان میں اس کے کارہائے نمایاں اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے لئے ایک دفتر بھی ناکافی ہوگا ؎

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے۔

لیکن دار المصنفین کا کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے، اور یہ سمجھنا کہ اس کو جو کچھ دینا تھا وہ دے چکا، ایک بہت بڑی غلطی ہوگی، بلکہ میرے نزدیک اب دار المصنفین کو اپنا پیغام پیش کرنے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے اور اس کے سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے جو اس کی علمی خدمات کا منتظر ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت علوم و آداب کی جو کثرت ہے اور ان کے ذریعہ سے مخالفین اسلام جو مواد فراہم کر رہے ہیں اس کے مقابلہ اور جواب کے لئے دار المصنفین ہی جیسا عظیم اور صاحب تحریک و پیغام ادارہ درکار ہے۔ آج علمی دنیا کو دار المصنفین کے پیغام کی زیادہ ضرورت ہے اور مولانا شبلی کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ جب دار المصنفین اپنی گوناگوں علمی و دینی خدمات کے ذریعہ الحاد و ارتداد کے اس دھارے کا رخ پھیر دے، جو علوم و آداب کے نام سے ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ اور نوجوانوں کو اپنی زد میں لے رہا ہے۔

دار المصنفین کی تاسیس پر پورے پچاس سال گذر گئے۔ اس عرصہ میں اس ادارہ نے جو کچھ کیا اور علمی میدان میں اس نے جو خدمات انجام دیں وہ ہر حال میں مشکور اور باعث مسرت ہیں بلاشبہ اس وقت یہ ضرورت تھی کہ خواص کے علاوہ عوام بھی اس کی اہمیت اور قیمت سے آگاہ ہوں اور اسکی افادیت، اس کی ضرورت کو سمجھیں تاکہ اس ادارہ کو زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل ہو اور وہ اپنے پیغام کو دنیا کے سامنے پیش کرتے وقت وہی تقویت محسوس کرے جو اس کی کامیابی کے لئے ناگزیر ہے۔

(باقی ص ۱۹)

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

سے

ایک انٹرویو

یونس نگرامی ندوی

اب سے تین مہینے پہلے کی بات ہے کہ اڈیٹر تعمیر حیات جناب محمد الحسنی صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی کہ "تعمیر حیات" کے لئے ایک نیا سلسلہ انٹرویو کا شروع کیا جائے۔ قدرتاً مختلف نام ہم لوگوں کے ذہن میں گھوم گئے۔ جس میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے اسم گرامی پر ہم لوگ متفق ہو گئے کہ سب سے پہلے یہ سلسلہ شارح قرآن ہی کی شخصیت سے شروع ہو۔

یہ بات یوں بھی میرے لئے اور باعث خوشی تھی کہ جس شخصیت کا خیال اور جس کی تصانیف بچپن ہی سے میرے دل و دماغ پر قبضہ کر چکی تھیں۔ آج براہ راست اس انٹرویو کے بہانہ اس کی زندگی کے بارے میں کرید کرید کر یہ سوال کر سکوں گا۔ جس کی محمد علی کی ڈائری نے بارہا رات کی تنہائیوں میں اور مدینہ کی گھاٹیوں میں بے اختیار رونے پر مجبور کر دیا تھا۔ جس کی زندگی کا ایک بڑا حصہ کلام الٰہی کی تشریح و تفسیر پر خرچ ہو رہا ہے۔ جس کا سفر حجاز۔۔۔۔ ہزاروں دلوں کو بے چین کرکے دیوانہ وار خانۂ خدا کی طرف جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ جس نے پاکستان کا سفر تو کیا راستہ میں ۱۹۴۷ء کے خونی واقعات نے اس کے قلم سے انسانی بہیمت کی داستان سنوائی۔ جس کا قلم آج بھی مغربیت کے طوفان کے سامنے مشرقی اقدار کی پامالی پر خون ٹپکا رہا ہے

بہر حال میں نے اس انٹرویو کے لئے دریاباد مولانا کو خط لکھ ہی دیا۔ جس کا جواب امید کے مطابق منظوری میں آیا۔ وقت ۴ بجے کا خاتون منزل گولہ گنج میں طے ہوا۔

میں پونے چار بجے ہی خاتون منزل پہونچ گیا تھا مولانا کہیں تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے انتظار میں بیٹھ گیا۔ ٹھیک چار بجے ایک موٹر کار خاتون منزل کے پھاٹک پر رکی۔ مولانا اپنے مخصوص لباس و انداز میں اترے فوراً ہی عصر کی نماز ادا کی گئی۔ اور نماز بعد میرے سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیجئے اب میں آپ حضرات و مولانا کے درمیان زیادہ حائل نہ رہوں گا۔

س : ابتدائی زندگی میں وہ کیا عوامل تھے جو اثر انداز ہوتے رہے۔

مولانا : ماحول مذہبی تھا۔ والد ماجد باوجود ایک خاصے اونچے عہدہ دار ہونے کے دیندار۔ ماں اور بہن دونوں تہجد گزار۔ چچا صاحب بھی کچھ اسی رنگ میں دادا صاحب (مولوی مظہر کریم) فرنگی محلی کے عالم اور باقاعدہ مفتی شریعت خود ان کا زمانہ تو میں نے نہیں پایا۔ بہرحال ان کی روائتیں خاندان میں سرایت کئے ہوئے تھیں۔ البتہ مذہب میں پیرزادگی اور بدعتی رسموں کا عنصر بھی خاصہ شامل تھا۔ مورث اعلیٰ چشتی تھے۔ بعد کو زور قادریت کا ہو گیا۔ جوار میں قادریت کا مشہور مرکز درگاہ بانسہ تھی۔ وہاں کے دو سجادہ نشینوں کو میری حقیقی پھوپھیاں بیاہی تھیں۔ ساتھ ہی گھرانہ علم و ادب سے ناآشنا نہ تھا۔ والد ماجد کے پاس رسالے اور اخبار کئی کئی آتے تھے کتابوں کا ذخیرہ بھی گھر میں کافی تھا۔ ادیبوں شاعروں کے خط آتے رہتے تھے۔ چچازاد بھائی انگریزی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ ناول انگریزی اخبارات وغیرہ سے واقفیت ان کے ذریعے سے بچپن ہی میں ہو گئی تھی۔ یہ ذکر سب انیسویں صدی عیسوی کے آخری دہے کا ہے سال پیدائش ۱۸۹۲ء خیال رہے۔

س : مذہبی زندگی کے محرکات کیا تھے۔

مولانا : بچپن میں بلکہ میٹریکولیشن پاس کرتے تک پورا دور مذہبی تھا۔ مسلمان لڑکوں کو ٹھیل [؟] کر نماز جمعہ کو مسجد لے جاتا تھا۔ ہیڈ ماسٹر کو درخواست دے کر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی چھٹی اس کے لئے منظور کروائی۔ عیسائی مناظروں کا زور تو اس وقت کم ہو چلا تھا۔ پورے زور پر اب آریہ سماجی تھے بڑی بدزبانی کے ساتھ۔ چھٹے درجے میں تھا کہ ایک مرتد آریہ سماجی کی کتاب "ترک اسلام" دیکھ کر تڑپ گیا۔ چچازاد بھائی صاحب نے تسکین کی باتیں کیں اور جوش ذرا ٹھنڈا کیا۔ مولانا محمد علی مونگیری کا رسالہ تحفہ محمدیہ اور مولانا ثناء اللہ امرتسری اور کسی قدر مرزا غلام احمد قادیانی (قبل دعوائے نبوت) کی کتابیں اس دور میں دلیل راہ رہیں۔ اسکول کے استاد عربی مولوی عظمت اللہ فرنگی محلی مرحوم (شارح نفحۃ الیمن) اس مذہبی جوش کے خاص مربی رہے۔ ادبی ذوق ریاض شرر وغیرہ کی کتابوں اودھ پنچ اور ریاض الاخبار سے پورا کرتا رہا۔ جب نویں درجہ میں آیا تو مولانا شبلی کا اثر سب پر غالب آ گیا۔ ان کی تصنیفات اور الندوہ دونوں سے خصوصی عقیدت پیدا ہو گئی۔

س : اس دینی انقلاب کے سلسلے میں کون کتابیں اور شخصیتیں اثر انداز ہوتی رہیں۔

مولانا : دسویں درجہ یعنی میٹریکولیشن کا امتحان مارچ یا اپریل ۱۹۰۸ء میں دیا۔ اس کے بعد چند روز کے لئے لکھنؤ آنا ہوا۔ ایک عزیز کے پاس ایک انگریز ڈاکٹر کی کتاب

دیکھنے میں آئی۔

عقائد میں تنزلزل اسی کتاب سے ہوئی پھر تابڑ توڑ ایسی ہی کتابیں نظر سے گذرتی رہیں۔ تاریخ کی نفسیات کی طب کی ادب کی۔ مختلف علوم و فنون کی۔ لیکن اسلام پر حملہ کسی نہ کسی پہلو سے سب میں مشترک۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے بدعقیدگی و برگشتگی مکمل ہو گئی اور طبیعت نے دہریت کی ایک قسم لا ادریت یا عقلیت ۔۔۔۔۔

کا مذہب پوری طرح اختیار کر لیا۔ یہ دور کوئی دس سال تک قائم رہا (تقریباً عمر کے ۱۷ سال سے لیکر ۲۷ سال تک) اس درمیان میں ہندو فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا اور مسز بسینٹ، ڈاکٹر بھگوان داس وغیرہ کی تحریروں میں روحانیت کی روشنی نظر آنے لگی۔ کرشن جی کی گیتا کو انگریزی میں پڑھا اس نے مادیت کے طلسم کو توڑا اور اس نے راستہ اسلامی تصوف کے لئے صاف کیا۔ پھر مثنوی تک رسائی ہو گئی اور اس نے اپنا بندۂ بے دام بنا لیا۔ دینی کتابوں میں مولانا شبلی کی سیرۃ النبی جلد اول۔ مولانا محمد علی لاہوری کی انگریزی تفسیر القرآن بھی بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اور زندہ شخصیتوں میں سب سے زیادہ انقلابی اثر حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا محمد علی اور مولانا حمید الدین فراہی کا پڑتا رہا۔ الحاد جس طرح دبے پاؤں آیا تھا۔ دفع بھی اسی طرح تدریجاً ہوا۔

س : ادبی زندگی کی مختصر روئیداد۔

مولانا : پڑھنے کا حریص بچپن سے رہا رطب و یابس جو چیز بھی سامنے آ جاتی بے پڑھے نہ چھوڑتا۔ اردو سے شوق مولوی اسماعیل میرٹھی کی ریڈروں سے پڑی اور سب سے زیادہ فیض مولانا شبلی کی کتابوں سے حاصل کیا۔

اس سوال کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ اردو ادب کے طالب علموں کے مطالعہ کے لئے بھی کچھ مولانا سے دریافت ہی کر لوں۔ کیونکہ اس دور میں کتابوں کی زیادتی ایک طالب علم کو حیران کئے رہتی ہے کہ کیا پڑھے اور کیا نہ پڑھے۔ کون سی کتاب فائدہ مند ہے اور کون سی مضر رساں۔ اس لئے میرا سوال تھا:

س : اردو ادب کے طالب علموں کے لئے آپ کیا مشورہ دیتے ہیں۔

مولانا : مولانا شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریریں زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔ ابوالکلام۔ نذیر احمد راشد الخیری۔ حسن نظامی سے بھی استفادہ کریں۔

س : مولانا شبلی کے زمانہ کے ندوۃ العلماء سے آپ کا براہ راست تعلق رہا ہے۔ آپ کے نزدیک دوسرے مدارس کے مقابلہ میں ندوۃ العلماء کی انفرادیت کیا تھی؟

مولانا : خودداری شرف نفس۔ مجلسی ادب و تہذیب مزاج میں نفاست۔ جزئیات میں توغل کے بجائے اسلام کے عمومی بنیادی مسائل کی طرف التفات۔ علمی بلند نظری۔

س : اپنی تصانیف میں آپ کو سب سے زیادہ کون تصنیف پسند ہے۔

مولانا : یہ پوچھئے کہ کون سی تصنیف سب سے کم ناپسند ہے۔ یہ تواضع و انکسار نہیں واقعہ ہے کہ ادھر کتاب لکھ کر ختم نہیں کی کہ ادھر اس میں خامیاں

کوتاہیاں نظر آنے لگیں۔ ظاہر ہے کہ جز اول پر اپنی تفسیر کو حاصل عمر سمجھتا ہوں (طبع دوم کے لئے پوری نظرثانی بھی اس وقت کر رہا ہوں) اس کے بعد دوسرا نمبر سیرت نبوی قرآنی کا آتا ہے۔ اور اس کے بعد سفر حجاز۔ حکیم الامت۔ محمد علی قیمتی رسائل اور دوسرے قرآنی رسائل اور مقالے ہیں۔

ادبی مقالے انشائے ماجد کے نام سے ہیں۔

اور نشریات ماجد امتیازی درجہ رکھتی ہے۔

نفسیات و فلسفہ پر مبادی فلسفہ (اول و دوم)

انٹرویو لینے والے کو ایک خاص بات یہ ذہن میں ضرور رکھنی چاہئے کہ جس شخص سے انٹرویو لیا جا رہا ہے اس سے سوالات اس کے مزاج و مشغلہ سے تجاوز نہ کر سکیں چونکہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے خدمت قرآن سے سرفراز فرمایا ہے اور اس دور میں اس علم کے مطالعہ میں سالہا سال بسر کئے ہیں اس لئے میرا اگلا سوال تھا کہ فن تفسیر میں کون سی کتابیں آپ کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوئی ہیں اور اس سلسلہ میں آپ کے تجربات کیا ہیں۔

مولانا : مطالعہ قرآنیات ایک بحر نا پیدا کنار ہے۔ جتنا اندر گھستے جائیے اور زیادہ گہرائی ملتی جائے گی۔ لغت و بلاغت کے اعتبار سے بھی تحقیق لامتناہی ہے اور پھر معنوی اعتبار سے ہر دور کے لئے ایک نئی تفسیر ناگزیر۔

قدیم کتابوں میں ابن جریر، کبیر، ابن کثیر، قرطبی اور متاخرین میں روح المعانی۔

اردو میں حضرت تھانوی کی تفسیر اپنی مثال آپ ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی بھی اس وقت قرآنیات پر خوب لکھ رہے ہیں۔

مولانا مودودی کی تفہیم القرآن میں بعض نکتے خوب مل جاتے ہیں۔

س : مولانا محمد علی کی سیاسی فراست کے کچھ واقعات بیان فرمائیے۔

مولانا : سیاسی فراست سے کہیں زیادہ ان کا جوش ایمانی قابل دید و قابل رشک تھا۔ جو کچھ ان پر کہنا تھا دو جلدوں میں لکھ چکا ہوں۔

س : اپنی سیاسی زندگی سے کنارہ کشی کے اسباب بیان فرمائیے۔

مولانا : سیاست سے براہ راست دلچسپی کبھی نہ رہی، جو کچھ پیدا ہوئی وہ خلافت کے دینی مسئلہ کی وساطت سے ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئی اس وقت اتفاق سے مسلم لیڈری کی باگ مولانا محمد علی کے ہاتھ میں تھی۔ جن کی ذہانت، مذہبیت ہر چیز پر اعتماد کامل تھا۔ میں اس میں شریک ہو گیا۔ نہ صرف خلافت کمیٹیوں میں بلکہ روزنامہ ہمدرد میں بھی پورا حصہ لیا۔ اور کانگریس میں بھی تھوڑا بہت شریک رہا۔ شروع ۱۹۳۱ء میں مولانا کا انتقال ہو گیا۔ اسی وقت سے سیاسیات میں عملی حصہ لینا چھوڑ دیا۔ وقت بھی اب دینی علمی ادبی شغلوں سے بچنے نہیں پاتا تھا۔

س : مستشرقین یورپ کی علمی جد و جہد کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں۔ اور اسلام کے سلسلہ میں ان کے رویہ کی نشاندہی بھی فرمائیے۔

مولانا : بعض تو ان میں کے کھلے ہوئے معاند اسلام ہیں۔ ان کی کوششیں شعوری طور پر ہی اسلام کی تضحیک یا اس کو مسخ کرکے پیش کرنے کی رہتی ہے۔

بعض اسلام کے قدردان اور مسلمانوں کے ہمدرد ہیں۔ لیکن وہ بھی غیر شعوری طور پر عموماً نقصان ہی پہونچا جاتے ہیں۔ ان کے اور ہمارے نقطۂ نظر میں بعد المشرقین رہتا ہے۔ تاہم ان کی مشقت اور دیدہ ریزی بہرحال قابل قدر ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ بہت سی باتیں ہمارے کام کی ان کے ہاں مل جاتی ہیں۔

س : حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے آپ کن حیثیات سے متاثر ہیں۔

مولانا : سب سے بڑھکر ان کی شان اصلاحی۔ معالج نفس کے وہ بہترین ماہر تھے۔ اسی کے ساتھ ان کا علم و فضل۔

حکمت کے موتی

- ایک بھی ہو تو گھر تباہ۔ چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی گھر میں آ جائے تو وہ گھر تباہ ہو جاتا ہے اور خیر و برکت اس گھر میں نہیں رہتی خیانت، چوری، شراب خوری، زنا۔
- علامات خوش بختی۔ چار چیزیں خوش بختی کی علامت ہیں، نیک زوجہ، سعید اولاد، صالح دوست، وطن میں روزگار۔
- دو جہاں کی نعمتیں۔ جس کو یہ چار چیزیں ملیں اس کو گویا دو جہاں کی نعمتیں مل گئیں ذکر رب کرنے والی زبان، شکر گذار دل، بلاؤں پر صابر جسم، اور مال و عصمت میں خیانت نہ کرنے والی زوجہ۔

دارالمصنفین

فضا ابن فیضی

اے زلیخا زار معنی یوسفستان علوم"
کاروان نکہت گل ہے تری موج نسیم
برگ گل پر اوس کا وہ قطرۂ تازا ہے تو
کس جواں آذر نے یہ پیکر تراشا ہے ترا
جوہر معنی ہے جن کی شوخیٔ فکر بلیغ
موج کوثر میں رواں تیرے ادیبوں کا قلم
تیرے ہونٹوں کی نوا، منشورِ عرفان و یقیں
تیرے ذروں کی جبیں شعر و ادب کا کوہ طور
بن کے ہے میری رگوں میں ایک سوز مستقل
تو ہے میرے عہد کی وہ صبح صادق جس سے ہے
لے رہا تھا ہچکیاں حسن بصیرت کا طلسم
دھندلے دھندلے سے تھے اسلامی ثقافت کے نقوش
تیری بیتابی کا حاصل تیرا مقصود جنوں
فرش پر لوٹے ہیں کتنے آئینے اسرار کے
بیٹھ کر تیرے درختوں کی گھنیری چھاؤں میں
تو صلاح الدین کی خاموش فطرت کا گداز
تیرے طاؤس جنوں کی شوخیوں کا تذکرہ
ہند میں چہرہ کشائے سوز مصطفوی ہے تو

اے "دیار آگہی" اے "حجلہ گاہ فکر و فن"
اے مری شادابیٔ ادراک کے گلگوں وطن
جس سے جاری ہے چمن میں کوثر نہر و لبن
روح بھونرے کی، نظر نرگس کی، لالے کا بدن
ہے تری خلوت ان ارباب نظر کی انجمن
ساز و برگ خلد، تیرے عندلیبوں کا سخن
تیرے سینے کا سفینہ، علم و حکمت کا چمن
تیرے قطروں کے صدف، گہوارۂ دُرِ عدن
تیرے جام شوق کی صہبائے آتش پیرہن
آج قائم دین و دانش کے افق کا بانکپن
تو نے اسکو زندہ رکھنے کے کئے سو سو جتن
تو نے ان خاکوں میں بھر دی اپنی صبحوں کی کرن
عصمت فکر و نظر پاکیزگی جان و تن
جب بھی تیرے ابروئے نازک پہ بکھری ہے شکن
اہل بینش نے مٹائی اپنی صدیوں کی تھکن
تو معین الدین کے پہلو کی اک دلکش چبھن
خود سلیماں کر رہے ہیں انجمن در انجمن
تیرے لمس شوق سے نکھریں روایات کہن

آج تک سمجھی نہ میری شوخیٔ مشکل پسند

تیرے گیسوئے جنوں میں قید ہیں کتنے ہرن

تو نے بخشا اک نیا اہل عجم کو طرز فکر
تجھ سے ہے گلگوں، سواد ذہن و ادراک نظر
جہل کے سینے پہ جس نے کھینچ دی زریں لکیر
شعریت کے رس میں یہ بھیگی ہوئی روحانیت
پھول بن کر ہنس پڑا دینی تفکر کا شعور
تیری موج گل میں غلطاں بوئے تعلیم رسول
جس نے رگ رگ میں سمو دی تیری کلچر کی روح
گرم تجھ سے "کاروبار دین و تاریخ و کتاب"
تو نے کی ہر دور میں تہذیب ذوق و آگہی"
میں نے پایا تجھ سے اسرار معارف کا سراغ
فلسفے نے تیری محفل میں بجھائی اپنی پیاس
رومی و اقبال کے جوہر سے ہے سرمایہ دار
جس کی اک دھن پر ہوئے کتنے غزالی پاکوب
تیرے صفحوں پر نذیر احمد کی تحریروں کا عکس
جب بھی چھیڑا ہے کسی نے نغمۂ "شعر العجم"
"کارگاہ سوز و مستی" میں ترے محراب و طاق
ندوۃ العلماء تری شوخی کا اک نقش جمیل
میکدہ در میکدہ میں یہ خمار افروزیاں

اک اچھوتا زاویہ اپنی حقیقت کا ہی تو
ہاں مرے ماحول کی شام شفق پیرا ہے تو
علم کے فانوس کا وہ احمریں شعلا ہے تو
رخ پہ حوروں کے لب جبرئیل کا بوسا ہے تو
میرے گلشن میں نسیم عرش کا جھونکا ہے تو
گلبن فطرت کی شادابی کا سرمایا ہے تو
ملت بیضا کی ان قدروں کا سرچشمہ ہے تو
مول جس کا دولت کونین وہ سودا ہے تو
سادہ سادہ لفظ میں پرکاری معنی ہے تو
روشنیٔ دانش و حکمت کا مینارا ہے تو
بو علی سینا و فارابی کا میخانہ ہے تو
وہ حقائق کا سحر آلود آئینا ہے تو
اس حجازی بانسری کا مست کن لہرا ہے تو
اپنے "آثار و روایت" کا صنم پارا ہے تو
اپنے لہجے کی خوش آہنگی پہ اترایا ہے تو
جان و دل کی تربیت کا ایک گہوارا ہے تو
لکھنؤ کے چہرۂ دلکش کا گل گونہ ہے تو
ساغر شبلی سے چھلکی تھی جو وہ صہبا ہے تو

لَو چراغ آگہی کی تیز تیرے دم سے ہے

خاک اعظم گڑھ ستارا خیز تیرے دم سے ہے

دارالمصنفین اعظم گڑھ

ہندوستان کا ایک اہم تصنیفی ادارہ

حبیب الرحمن ندوی

بڑے لوگ اپنے پیچھے جائداد اور مال و دولت کے انبار چھوڑ جاتے ہیں لیکن قابل صد مبارکباد ہیں علامہ شبلی نعمانی جنھوں نے اپنے ترکہ میں اپنی بیش بہا تصنیفات کے علاوہ چند نادر روزگار علمی شخصیتیں اور دارالمصنفین جیسا تصنیفی اور تحقیقی ادارہ بھی چھوڑا، جو اپنے بلند پایہ علمی کارناموں کی بدولت ہمیشہ دنیا سے خراج تحسین حاصل کرتا رہے گا۔

علامہ شبلی رح پچھلی صدی کے متبحر عالم، مورخ محدث اور ادیب تھے۔ انھوں نے تحقیق و تصنیف کی نئی راہیں کھولیں جس کے لئے آج بھی آپ کی جلیل القدر تصنیفات زبان حال سے شہادت دے رہی ہیں۔ دارالمصنفین آپ ہی کی ژرف نگاہی کا نتیجہ ہے، دارالمصنفین کی تاسیس اور اس کی ضرورت کا خیال سب سے پہلی بار آپ کو کتب خانہ ندوۃ العلماء کے سلسلہ میں ۱۹۱۰ء میں ہوا جس کو آپ نے دارالعلوم کی سہ سالہ رپورٹ میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا۔

"قومی اور مذہبی ضروریات میں جس قدر ایک قومی مدرسہ ایک قومی کالج ایک قومی یونیورسٹی کی ضرورت ہے۔ اسی قدر ایک قومی کتبخانۂ اعظم کی بھی ضرورت ہے۔ اگر مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کے علوم، مسلمانوں کی قومی تاریخ کو زندہ رکھنا ہے تو ضرور ہے کہ ایک ایسا کتب خانہ بہم کیا جائے جس میں علوم مذہبی کے متعلق نادر اور بیش بہا تصانیف موجود ہوں، جس میں مسلمانوں کے خاص ایجاد کردہ علوم و فنون کا کافی سرمایہ ہو جس میں ہر فن کے متعلق وہ تمام کتابیں موجود ہوں جو اس فن کے دور ترقی کے مدارج ہیں جس میں قدما کے عہد کی یادگاریں ہوں اور ان سب باتوں کے ساتھ یہ کتب خانہ کسی کا ذاتی نہ ہو بلکہ وقف عام ہو تاکہ تمام ہندوستان کے مسلمان اور بالخصوص مصنفین اور اہل قلم اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔" حیات شبلی ص ۹۰۰

علامہ شبلی رح دارالمصنفین کی تاسیس کے وقت نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شیروانی کو لکھتے ہیں۔ "ہاں دارالمصنفین پر کیوں آپ نے سکوت کیا۔ آپ سے بڑھ کر اس کی شرکت کا حق کس کو ہے میں اس کو انشاء اللہ پوری کرکے رہوں گا اور شاید وہی میرا مدفن بھی ہو۔" چنانچہ زندگی کے آخری سال ۱۹۱۴ء میں اپنا ذاتی باغ، بنگلہ اور کتب خانہ وغیرہ دیکر شبلی منزل میں باقاعدہ اس کی رسم افتتاح بھی ادا کردی جسے بعد میں آپ کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندوی نہ صرف موجودہ دارالمصنفین کی شکل میں قید کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں بلکہ آپ کی اہم تصنیف سیرۃ النبی کی تکمیل کرکے اپنی بلند نگاہی اور علمی کمالات کی ایک ایسی بے مثال نظیر بھی قائم کرتے ہیں جس کا نمونہ علمی دنیا کی پچھلی دو تین صدیوں میں اور کہیں ملنا مشکل ہے۔

سیرۃ النبی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مکمل مبسوط اور مستند ترین سوانح عمری ہے جسے بجا طور پر دارالمصنفین کا سب سے اہم کارنامہ قرار دیا جائیگا کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان اور والہانہ طرز نگارش نے سیرۃ النبی کی جاذبیت میں اور بھی چار چاند لگا دیا ہے۔ علامہ شبلی رح کس عقیدت اور والہانہ شیفتگی کے ساتھ یہ نذرانہ آستانۂ نبوت پر چڑھا رہے ہیں۔

سیرۃ النبی کا سرنامہ ملاحظہ کریں۔

"ایک گدائے بے نوا شہنشاہ کونین کے دربار میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے۔

"چشم آستیں بردار گوہر انتاشا کن"

ندوۃ العلماء: علامہ شبلی کی علمی سرگرمیوں کا ایک اہم مرکز ندوۃ العلما بھی ہے۔ سید صاحب اپنی کتاب حیات شبلی میں لکھتے ہیں:

"ملک میں جب ندوہ کے مقاصد اور اس کے آئندہ اجلاس کا اعلان ہوا تو تمام مسلمانوں میں ایک نئے جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی علماء ہر طرف سے آ آکر جمع ہونے لگے۔ مگر اس صدا پر لبیک کہنے والوں میں سب سے پہلا نام اس شخص کا تھا جو ہندوستان کے علاوہ روم و شام اور مصر کے مدرسوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا اور جسکے دل میں رہ رہ کر ان مدرسوں کی زبوں حالی ابتری اور ضروریات زمانہ سے بے خبری کا درد اٹھتا تھا، جس کے مضمونوں، تقریروں اور تصنیفوں میں اس کا یہ احساس ہر دفعہ نئے رنگ میں ظاہر ہوتا تھا۔"

علامہ شبلی کی غیرت مندی عالی حوصلگی اور ندوۃ العلماء سے ان کے قلبی لگاؤ کی اس سے زیادہ اور کیا مثال ہوگی۔ جب دارالعلوم کا نقشہ مرتب ہوگیا اور اس کے لئے چندہ کی تحریک کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا "علماء پر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ خود کسی کام کو روپے سے نہیں کرتے اس واسطے میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ دو جا ابتدائی دارالعلوم کے ابتدائی مصارف کے متکفل ارکان انتظامیہ ہو جائیں۔ یہی نہیں ایک دفعہ آپ نے یہ تحریک بھی کی کہ دارالعلوم کی تعمیر میں ایک کمرہ خاص علماء کے صرف سے بنایا جائے۔ (حیات شبلی ص ۳۹۰)

علامہ شبلی رح نے اپنے وقت میں ندوۃ العلماء کی تعلیمی حالت اور اس کے کتب خانہ کو جو وسعت دی وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ ہی کی ادارت اور سرپرستی میں یہاں سے الندوہ نکلا کرتا تھا جس کے ذریعے ملک بڑے بڑے لوگوں سے روشناس ہوا۔

سید صاحب حیات شبلی میں لکھتے ہیں کہ "اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک مولانا ابوالکلام آزاد الندوہ کے سب اڈیٹر رہے اس وقت تک وہ علمی حلقوں میں روشناس نہیں ہوئے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں وہ مولانا شبلی سے بمبئی میں ملے یہ ملاقات ایسی تاریخی ثابت ہوئی جس نے ابوالکلام کو مولانا ابوالکلام بنا دیا۔ مولانا شبلی مرحوم ان کو اپنے ساتھ ندوہ لائے اور ایک زمانہ تک ان کو اپنے پاس ندوہ میں رکھا۔" حیات شبلی ص ۴۹۴

سید صاحب کی زبان میں الندوہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے ذریعے علماء کے سامنے جدید (حیات ص ۴۹۶)

ہمیں ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو واقفیت و اطلاع اور انتظام و تدبر میں حضرت عمرؓ، عمرو بن العاصؓ، خالد بن الولیدؓ اور ابو عبیدہؓ کے نقش قدم پر ہو،

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء کا مقصد ایسے لوگ تیار کرنا ہے جو مخالفین کے اعتراضات کا جواب آجکل کے مذاق کے موافق دے سکیں

مولانا شبلی نعمانیؒ

مدرسہ درحقیقت قدیم و جدید کی بحثوں سے بالاتر ہے، اس کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا اس زندگی سے !!

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ندوۃ العلماء کی تصویر خود اس کے بانیوں اور رہنماؤں کے قلم سے

ذیل میں ندوۃ العلماء کے بانیوں اور رہنماؤں کے چند اہم اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ ان کے دماغ میں ندوۃ العلماء کا کیا تخیل تھا، اور وہ اس کو کیا بنانا چاہتے تھے، آخر میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک اقتباس ہے جس میں مدرسہ کے کردار اور اس کی اہمیت، وخصوصیت پر عمومیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، درحقیقت یہ اقتباسات تمام اہل مدارس کے مطالعہ و استفادہ کے لائق ہیں اور ان سے بڑی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ (ادارہ)

ندوۃ العلما کی ضرورت

ملک میں علماء کا جو اثر کم ہوتا جاتا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ خیال عام طور پر پھیلتا جاتا ہے کہ علماء حجروں میں معتکف ہیں اور ان کو دنیا کی خبر نہیں، اس لئے دنیاوی معاملات میں ان کی ہدایت اور ان کا ارشاد بالکل ناقابل التفات ہے بے شبہ جو علماء دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ان کو کثرت عبادت اور ذکر و فکر کی وجہ سے اپنی ضروریات کی طرف بھی توجہ نہیں ان کو اصحاب صفہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ کل صحابہ کرام اصحاب صفہ نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ بے شبہ اصحاب صفہ کے مشابہ ایک گروہ ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے۔ لیکن اس کے ساتھ نہایت ضروری ہے کہ ایک جماعت کثیر ایسی بھی موجود ہو جو واقفیت و اطلاع، انتظام و تدبر، حزم و مصلحت اندیشی میں حضرت عمرؓ، عمرو بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ، اور ابو عبیدہ امینؓ کے نقش قدم پر ہو۔

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ
بانی ندوۃ العلماء

ایک مثالی مدرسہ

تمام ہندوستان میں ایک بھی ایسا خالص دینی اور مذہبی مدرسہ نہیں جو بہ لحاظ جامعیت و وسعت و عظمت کے مدرسہ اعظم کہلانے کا مستحق ہو۔ یعنی:

جس میں تمام علوم دینیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول کی تعلیم ایسے کمال کے درجہ تک دی جاتی ہو کہ تحقیق کا مرتبہ حاصل ہو سکے۔

جس میں اسلامی علوم کی تمام قدیم اور نادر کتابیں فراہم کی گئی ہوں،

جس میں طالب علموں کو تصنیف و تالیف کی تعلیم دی جاتی ہو۔

جس میں ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہوں جو مخالفین کے اعتراضات کا جواب آج کل کے مذاق کے موافق دے سکیں۔

جس میں حکومت کی موجودہ زبان بھی بقدر ضرورت پڑھائی جاتی ہو۔

جس کی عمارت وسیع پرفضا اور عظیم الشان ہو۔

اس غرض کو پورا کرنے کے لئے لکھنو میں ندوہ کا دار العلوم قائم کیا گیا ہے

مولانا شبلی نعمانیؒ

راہ اعتدال

ملک میں قدیم و جدید تعلیم یافتوں کی دو برابر کی جماعتیں قائم ہیں۔ ہمارے کام کا پروگرام تو ایسا تھا کہ ان دونوں کے درمیان سلسلۂ اتصال کا کام دیتا لیکن کبھی کبھی ہم کو عجیب و غریب مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہی وقت ہوتا ہے جب ہمارے کانوں میں یہ آواز آتی ہے۔

دو دل بودن دریں رہ سخت ترعیبیست سالک را
خجل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوئے ایماں ہم

فریق اول کہتا ہے کہ علوم یورپ کی آمیزش سے تم علوم قدیم سے حرم اقدس کی توہین کرتے ہو، جدید فرقہ الزام دیتا ہے کہ پرانے اور فرسودہ علوم کو زندہ کرکے تم پھر ہمارے پاؤں میں وہی زنجیریں ڈالنا چاہتے ہو جن کو ۵۰ برس کی محنت میں ہم نے بڑی مشکل سے کاٹا ہے۔ حقیقت حال پر نظر ہو تو دونوں پر اپنی غلطی آپ منکشف ہو جائے۔ یورپ کے علوم، قدیم علوم کی معصومیت میں رخنہ انداز نہیں، بلکہ اس کے حسن و جمال کی افزائش کا سامان ہیں دوسرے فریق سے کہنا ہے کہ اسلاف کے متروکہ علوم کو ذرا صیقل کرکے دیکھو زنجیر پا نہیں، تمہارے پائے کمال کا خلخال ہے۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ یورپ کے دلیس میں تم غریب و نادار والدین کی وہ نادان بیٹی ہو جو صرف سسرال کی دولت پر نازاں ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی

مدرسہ کیا ہے؟

مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں۔ مدرسہ عالم اسلام کا بجلی گھر "پاور ہاؤس" ہے جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے۔ مدرسہ کارخانہ ہے جہاں قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں۔ مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے۔ جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے۔ عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں۔ مدرسہ کا تعلق کسی تقویم کسی تمدن کسی عہد، کسی کلچر اور زبان و ادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اس کے زوال کا خطرہ ہو۔ اس کا تعلق براہ راست امت محمدی سے ہے جو عالمگیر بھی ہے اور زندہ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جوان ہے۔ اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں دواں ہے۔ مدرسہ درحقیقت قدیم و جدید کی بحثوں سے بالاتر ہے۔ وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔

اس کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا زندگی سے، وہ نبوت محمدی کے چشمۂ حیواں سے پانی لیتا ہے اور زندگی کی ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے۔ وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے، نہ نبوت محمدی کا دریا پایاب ہونے والا ہے نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدی کے چشمۂ فیض سے بخل و انکار ہے، نہ انسانیت کے کاسہ گدائی کی طرف سے استغنا کا اظہار ادھر سے انما انا قاسم واللہ یعطی کی صدائے مکرر ہے تو ادھر سے ھل من مزید ھل من مزید کی فغان مسلسل۔ مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا متحرک اور مصروف ادارہ ہو سکتا ہے۔ زندگی کے مسائل بے شمار زندگی کے تغیرات بے شمار، زندگی کی لغزشیں بے شمار، زندگی کے فریب بے شمار زندگی کے رہزن بے شمار، زندگی کے حوصلے بے شمار، مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا تو اسے فرصت کہاں؟

دنیا میں ہر ادارہ، ہر مرکز، ہر فرد کو راحت و فراغت کا حق ہے اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے۔ مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لئے آرام ہے لیکن اس مسافر کے لئے راحت حرام ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ہر بزم ہے ہماری ہر جام ہے ہمارا

سید محمد ثانی حسنی

سب سے عظیم مذہب اسلام ہے ہمارا
کہتے ہیں جس کو مسلم وہ نام ہے ہمارا
آنکھوں کا نور ہے وہ دل کا سرور ہے وہ
اس کے ہی دم قدم سے آرام ہے ہمارا
ورد زباں ہمارے ہے لا الٰہ الا
سارے جہاں کو بس یہ پیغام ہے ہمارا
آتشکدوں کو ہم نے اک گلستاں بنایا
مردہ جہاں پہ اتنا انعام ہے ہمارا
نجد و حجاز و سوڈان، ترکی عراق و اردن
مصر و یمن ہمارے اور شام ہے ہمارا
کیا روس کیا بخارا، کیا ہند و چین روما
نقش قدم ہویدا ہر گام ہے ہمارا
چاہے جہاں رہیں ہم چاہے جسے اٹھائیں
ہر بزم ہے ہماری ہر جام ہے ہمارا
کس کی مجال دجرات نام و نشاں مٹائے
کندہ ہر ایک ذرہ پر نام ہے ہمارا
سیکھا نہیں ہے ڈرنا اہل غرور سن لو
ایمان اور یقیں پر انجام ہے ہمارا
ہم جان و مال دل سے اسلام پر فدا ہیں
دل سے عزیز ہم کو اسلام ہے ہمارا

غزل

مظہر جمیل

پھر کبھی دل سے آپ کی کوئی نظر نہ مل سکی
ہم کو تو کچھ کبھی لذتِ سوزِ جگر نہ مل سکی
اور نہیں تو خار ہی رکھ دیئے میری راہ میں
اہل جہاں کو جب تری راہ گزر نہ مل سکی
حاصل رہروئی شوق ہم سے نہ پوچھیے ابھی
منزل دوست تو کجا گردِ سفر نہ مل سکی
کرنے گئے تھے تذکرہ رنج و غم حیات کا
جنبش لب کا ذکر کیا ان سے نظر نہ مل سکی
آئی نہ جب تک آپ کے نغسِ مشک بو کی موج
غنچۂ اشوق کو مرے بادِ سحر نہ مل سکی
چاہا تھا چھوٹ جائیں ہم قید حیات سے مگر
کشمکش حیات سے راہِ مفر نہ مل سکی
کون سی رہگذر میں تم کھو گئے جا کے اے جمیلؔ
زندگی ڈھونڈتی رہی کوئی خبر نہ مل سکی

غزل

قاضی محمد شکیل عباسی

دل ہے عبرت کے لئے جان ہے خدمت کے لئے
اور یہ دونوں ہیں ایمان کی لذت کے لئے
جان اور مال نُقدَ لاؤ جماعت کے لئے
نقد پیدا کرو بازار قیامت کے لئے
قوتیں جتنی بھی ہیں فطرت انسانی کی
قیمتیں ہیں یہ خریداری جنت کے لئے
دین اسلام مکمل ہے یہاں پر بدعت
باعث ننگ ہے تکمیل شریعت کے لئے
اسے پاتا ہوں زمانے کا پرستار شکیلؔ
جو بنایا گیا عالم کی امامت کے لئے

غزوات سرایا

سیرتِ نبوی کا ایک اہم باب

(۲)

مولانا امیر ادروی

اس سلسلہ میں اسلام پر جو الزام لگایا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بانیٔ اسلام نے طاقت و قوت سے لوگوں کو اس طرح مجبور کر دیا کہ دلوں میں اسلام سے نفرت و حقارت کا جذبہ ہوتے ہوئے بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ورنہ ان کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی کشش نہیں تھی، حضورؐ نے گویا لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ کر کہا کہ اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو اسلام قبول کر لو ورنہ یہ تلوار تمہارا فیصلہ کیے دیتی ہے، اسلام سے نفرت کرنے والوں پر ڈاکے ڈلوائے ان کے قافلے لٹوائے۔ ان کے مال و اسباب چھنوائے، ان کا امن و چین غارت کر دیا، کیا اس معنی میں مصنف کو مغرب کا یہ اعتراض تسلیم ہے؟ اگر ایسا ہے تو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ اسلام کی صحیح ترجمانی نہیں ہے، اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اس سے قطعی طور پر پاک اور صاف ہے، خود مصنف نے غزوات و سرایا کی جتنی تفصیل دی ہے اس میں کہیں بھی وہ یہ ثابت نہیں کر سکے اور نہ کوئی واقعہ ایسا پیش کر سکے جس میں حضورؐ نے بلا کسی خاص سبب کے کسی قبیلہ پر پیش قدمی فرمائی ہو محض ان کے کافر و مشرک ہونے کی بنا پر اس کے خلاف جنگی اقدام کیا ہو، ہر غزوہ اور ہر سریہ کا پس منظر ایسا ہی رہا ہے کہ حضورؐ کو مجبورًا ان جنگوں میں شریک ہونا پڑا، اس کے اسباب مختلف رہے ہیں، یا تو یہ لڑائیاں ان لوگوں سے ہوئی ہیں جنھوں نے مدینہ پر چڑھائی کی ہے یا اس کے منصوبے بناتے رہے ہیں، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور قتل کرنے کی سازش کی ہے یا ان سے کوئی معاہدہ رہا ہے اور انھوں نے عہد شکنی کی ہے یا ان لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کرنے والے صحابہ کرام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی ہیں، ایذائیں پہونچائی ہیں اور انھیں قتل کیا ہے، آپ اس نقطۂ نگاہ سے سارے غزوات و سرایا پر نظر ڈال جائیے کہیں بھی اس کے خلاف نہیں پائیں گے، یہ سارے اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے ایک مہذب سے مہذب ملک بھی جنگ کے لیے مجبور ہو جاتا ہے یہ کوئی جابرانہ اور غیر انسانی فعل نہیں جس پر طعن و تشنیع کی جائے

غزوۂ بدر سے پہلے جتنے سرایا ہیں ان میں صرف قریش ہی مد مقابل ہیں، انھیں کے قافلوں سے مزاحمت ہے، کبھی مقابلہ ہوا ہے اور کبھی بچ بچا کر نکل گئے ہیں، قریشیوں کے خلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام معاذ اللہ اس لیے نہیں تھا کہ ڈاکے ڈالے جائیں اور ان کے مال و اسباب چھین لیے جائیں جیسا کہ مغربی مصنفین الزام تراشتے ہیں، اس کی نوعیت و حقیقت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس وقت کے واقعات کو نظر کے سامنے رکھیں جو ہجرت کے وقت پیش آئے اور اس پہلو کو بھی مدنظر رکھیے کہ عرب میں قبائلی نظام تھا کوئی دستوری حکومت نہیں تھی، اس لیے عرب میں کسی کے خلاف اعلانِ جنگ یہی تھا کہ اس کے کسی فرد کے خلاف تلواریں بے نیام ہو جائیں، مسلمانوں کی ایک نئی قوم عالم وجود میں آ رہی تھی جس کے حاکم مطلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، شب ہجرت میں قریش اور اس کے حلیف تمام قبائل کی متفقہ طور پر تلواریں بے نیام ہو چکی تھیں حضورؐ کے خلاف تلواروں کا میان سے نکل جانا پوری قوم کے خلاف جنگ کا آغاز تھا، خانۂ مقدس کے محاصرہ میں ناکامی کے بعد ایک بہت بڑا انعام حضورؐ کی گرفتاری اور قتل کے لیے مشتہر کیا گیا، آپ نے راتوں رات اپنا عزیز وطن چھوڑا، تین دن تک ایک پہاڑ کے غار میں انتہائی خطرات میں گھرے ہوئے روپوش رہے، پھر نہایت ہی رازداری کے ساتھ اپنے خون کے پیاسے قریشیوں کی تلواروں کی زد سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اور مدینہ پہونچے۔ کیا قریش کا یہ طرز عمل کسی جذبۂ خیر سگالی کی بنا پر تھا یا اعلان جنگ تھا؟ بلکہ جنگ کا آغاز؟ یہ جنگ یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ مدینہ پہنچنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے کیونکہ قریش نے مدینہ کے رئیس الانصار عبد اللہ ابن اُبی کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھ تمہارا بھی استیصال کرنے کے لیے عنقریب مدینہ آ رہے ہیں اور یہ صرف دھمکی ہی نہیں تھی بلکہ قریش مدینہ پر فوج کشی کے لیے پوری تیاریوں میں مصروف تھے، اخراجات جنگ کے لیے قریش کے ایک ایک فرد سے سرمایہ اکٹھا کیا گیا اور تقریبًا چالیس آدمیوں کو یہ سرمایہ دے کر برغرض تجارت شام بھیجا گیا اور طے یہ کیا گیا کہ اس تجارت کے سارے منافع سے حضورؐ کے خلاف جنگ کی تیاریاں کی جائیں گی چنانچہ یہ سرمایہ محفوظ رکھا گیا اور جنگ اُحد میں اُس سے کام لیا گیا، ان حالات میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلوں پر دھاوے کیے تو یہ کون سی معیوب بات ہے حملہ آوروں کے مال و اسباب اور رسد کو تباہ کرنا نقصان پہونچانا ان کی تیاریوں اور تدبیروں کو ناکام بنانا ہی جنگ کے حقیقی داؤ پیچ ہیں اور اس پہلو کو نظر انداز کر کے کوئی شخص کبھی کسی جنگ میں کامیاب نہیں ہو سکتا، قریش کی انھیں ریشہ دوانیوں کی وجہ سے حضورؐ قریشیوں کی ہر نقل و حرکت پر نگاہ رکھتے تھے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کی جد و جہد میں رہتے تھے، غزوۂ بدر سے پہلے سریہ عبید بن الحارث سریہ سعد بن ابی وقاص غزوۂ ودان، غزوۂ بواط، غزوۂ ذوالعشیر، سریہ عبد اللہ بن جحش، غزوۂ صفوان میں مد مقابل قریش ہی تھے، کسی بھی دوسرے قافلہ یا کاروان تجارت

یا کسی قبیلہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا اس کی خاص وجہ یہی تھی کہ قریش نے جس جنگ کا آغاز کر دیا تھا اس کا سلسلہ قائم تھا اور مدینہ کے مسلمانوں کی حالت ٹھیک ان فوجیوں کی طرح جو دشمن کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں قیام پذیر ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سریوں کے بھیجنے کا مقصد قریش کی نقل و حرکت کی نگرانی ہی تھی جیسا کہ سیرت کی مستند کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔

اصح السیر کے مصنف نے ان سرایا کی تفصیل دیتے ہوئے کہیں بھی ان واقعات کے پس منظر، محرکات و عوامل اور صحابۂ کرام کو اس طرز عمل پر مجبور کرنے والے موثرات کا تذکرہ نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے ان واقعات کی تصویر کچھ ایسی بن گئی ہے کہ صحابۂ کرام کے بارے میں اس کا تصور کرتے ہوئے روح لرز جاتی ہے، کتاب کے پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر جو اثر مرتب ہو سکتا ہے اس کا اظہار کرتے ہوئے دل کانپ جاتا ہے اور قلم تھرتھرانے لگتا ہے۔

ان سرایا میں سے ایک میں اتفاق امر عمرو بن الحضرمی مارا گیا جس نے قریش کے دلوں میں انتقام کی ایک اور نئی آگ بھڑکا دی جو غزوۂ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، علامہ شبلی نے اس بات کی تحقیق پر کہ یہ قافلۂ تجارت پر حملہ تھا یا قریش کی آنے والی فوج سے مقابلہ مقصود تھا پچیسوں صفحے تحریر فرمائے ہیں اور پورا زورِ قلم صرف کیا ہے، صاحب اصح السیر نے اتنی ہی شدت کے ساتھ علامہ شبلی کی تحقیق کا رد بھی کیا ہے لیکن مصنف کے پاس نہ دلائل و براہین ہیں اور نہ روایتوں اور کتابوں کے حوالے ہیں اور نہ علامہ شبلی کے دلائل کے جوابات ہیں صرف واقعات کو اپنے نقطۂ نگاہ سے مرتب کر دیا ہے، چوں کہ یہ واقعہ انتہائی مختلف فیہ ہے اس لیے ہم بھی قدرے تفصیل کے لیے مجبور ہیں۔

علامہ شبلی نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ غزوۂ بدر میں حضور کے سامنے قریش والوں کی مدافعت تھی، آپ قافلہ پر حملہ کی غرض سے نہیں نکلے تھے قرآن سے استدلال کیا ہے، متعدد واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ارباب سیر نے اس میں عام طور پر غلطی کی ہے، یہ زحمت ان کو اس لیے کرنی پڑی تا کہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ غزوۂ بدر میں بھی حضور کی طرف سے اقدام نہیں تھا بلکہ دوسرے غزوات کی طرح یہاں بھی حضور کا رویہ مدافعانہ تھا تا کہ مغربی مصنفین کا جواب دیا جاسکے۔

اصح السیر کے مصنف نے بالکل اس کے برعکس خیالات کا اظہار کیا ہے اعتراض اور الزام کی کوئی پروا نہیں کی ہے اور نہ حضور کے اس اقدام کے محرکات و موثرات پر روشنی ڈالنے کی زحمت کی ہے اور نہ انھوں نے اپنے مدعا پر کوئی دلیل ہی قائم کی ہے، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں علامہ شبلی کی یہ زحمت بے سود ہے کیوں کہ اس سے قبل بھی تجارتی قافلوں پر حملے کیے جا چکے ہیں اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے اس واقعہ کا پس منظر پیش کیا جائے تا کہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ کوئی غیر انسانی فعل نہیں تھا۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ قریش کی طرف سے ایک غیر مختتم جنگ کا آغاز ہو چکا ہے اس لیے حضور کا قافلۂ قریش پر حملہ بھی مدافعانہ ہی تھا خاص طور پر یہ تجارتی قافلہ جو اس موقعہ پر شام سے واپس آ رہا ہے اسی اعلان جنگ کا ایک شاخسانہ ہے جو شب ہجرت سے شروع ہو چکا ہے کبھی دشمن کو اس لیے نہیں بخشا جاسکتا کہ وہ ابھی تلواروں کی دھاروں پر سان چڑھا رہا ہے اور نیزوں اور تیروں کی انی درست کر رہا ہے یا کمین گاہوں کی تلاش اور کسی بہتر موقعہ کی جستجو میں لگا ہوا ہے۔

پھر قرآن سے صریحی طور پر یہ ثابت بھی نہیں ہوتا کہ حضور کے پیش نظر صرف فوج قریش کا مقابلہ تھا کیوں کہ آیت میں دونوں فریق سے مڈبھیڑ ہونے کا احتمال مذکور ہے اور صحابہ کرام تو بلا استثنا عام طور پر یہی سمجھتے تھے کہ کاروان تجارت پر حملہ کرنا مد نظر ہے جس پر ذوالعشیرہ کے سریہ کے ذریعہ مزاحمت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کیوں کہ خود سیرۃ النبی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صحابہ بدر کے قریب پہنچے تو دو آدمیوں کو پکڑ کر لائے اور ان سے پوچھا کہ تم کس کے ساتھ ہو؟ انھوں نے بتایا کہ ہم قریش والوں کے ساتھ ہیں اس پر صحابہ نے ان کو مارا اور کہا کہ سچ بتاؤ کہ تم کس کے ساتھ ہو؟ کیا تم ابوسفیان کے ساتھ نہیں ہو؟ مار کے خوف سے انھوں نے ہاں کہہ دیا، حضور نماز میں مصروف تھے، فراغت کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب وہ سچ بولے تو تم نے انھیں مارا اور جب جھوٹ بولے تو تم نے انھیں چھوڑ دیا، اس واقعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک صحابہ کو یقین تھا کہ حضور قافلہ کی تلاش میں تشریف لائے ہیں، لیکن اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کو فوج قریش کی آمد کا علم تھا؟ ممکن ہے حضور کو اسی وقت اطلاع دی گئی ہو کہ قریش کی فوج آ رہی ہے اب مقابلہ قافلہ کے بجائے قریش سے ہوگا اور اسی وقت آپ نے صحابہ پر اس خبر کا انکشاف فرمایا ہو۔

علامہ شبلی کا یہ خیال بھی درست نہیں معلوم ہوتا کہ حضور کو مدینہ ہی میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قریش فوجی تیاریاں کر رہے ہیں اور مدینہ پر عنقریب چڑھائی کرنے والے ہیں جب کہ ابوسفیان کا قافلہ ابھی شام ہی میں تھا اور بدر کے قریب پہنچا بھی نہیں تھا کیوں کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ قریش ابھی چڑھائی کے لیے تیار نہیں تھے صرف ابوسفیان کے قاصد کی وجہ سے انھوں نے فوری طور پر تیاریاں شروع کیں کیونکہ قاصد نے بتایا کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں اس لیے ایک ہزار سے زائد آدمی جمع ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑے تا کہ اپنے قافلہ کی حفاظت کریں اور مسلمانوں کے حملہ سے بچا لائیں، اس کا واضح ثبوت خود سیرۃ النبی میں موجود ہے کہ قریش کو بدر کے قریب پہونچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ صحیح سلامت نکل گیا، اس خبر کے ملنے پر قریش کی فوج میں اختلاف ہو گیا ایک گروہ نے کہا کہ مقصد حاصل ہو چکا۔ اس لیے واپس چلنا چاہیے لیکن ابوجہل نہیں مانا اور اس کی ضد کی وجہ سے لوگ رکنے پر مجبور ہوئے اس کے باوجود قبیلہ زہرہ اور قبیلہ عدی کے لوگ یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ قافلہ کی حفاظت مقصود تھی وہ حاصل ہو گئی اب لڑنا فضول ہے، جب قریش کا مقصد روانگی کے وقت تک خود جنگ کرنا نہیں تھا تو حضور کو اس کی اطلاع کیسے دی گئی کہ قریش حملہ کرنے والے ہیں اور آپ مقابلہ کے ارادہ سے مدینہ سے نکلے قافلہ تجارت سے کوئی سروکار نہ تھا، متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت قافلہ ہی سے مزاحمت مقصود تھی اس لیے ہمیں صاف طور پر تسلیم کر لینا چاہیے کہ حضور نے قریش کے قافلہ پر دھاوا کیا اگر ہم اس

واقعہ میں تاویل کریں گے تو ہمیں بہت سی صحیح روایتوں سے انکار کرنے کی ضرورت پیش آئے گی کیوں کہ بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ اس سے پہلے متعدد بار حضور نے صحابہ کو قریش کے قافلوں پر حملہ کی غرض سے بھیجا ہے اور مال غنیمت تقسیم ہوا ہے اور یہ کوئی معیوب بات نہیں اور نہ کسی کو اس پر اعتراض کا حق ہے کیوں کہ قریش نے ایک طویل جنگ کی ابتدا کر دی تھی جس میں صلح حدیبیہ سے پہلے کوئی وقفہ نہیں ہے اس لیے محارب قوم کے مال و اسباب کو نقصان پہنچانا ان کے کھانے پینے کے سامان کو ضائع کرنا ان کی رسد کو برباد کرنا اصول جنگ میں داخل ہے اس کے بغیر نہ کوئی فاتح آج تک کامیاب ہوا ہے اور نہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

اصح السیر کے مصنف نے اپنے مقدمہ میں جو دعویٰ اتنی بلند آہنگی سے کیا تھا اس کے ثبوت میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکے جس میں حضور نے پیش قدمی فرمائی ہو اور کسی قبیلہ پر بغیر اس کی شرارت کے محض اس بنا پر حملہ کیا ہو کہ وہ مشرک اور کافر ہے، اس کے برعکس تمام غزوات و سرایا کے پس منظر میں ایسے اسباب موجود تھے کہ حضور کے لیے بغیر جنگ کے کوئی چارہ کار نہیں تھا میں انتہائی اختصار کے ساتھ حضور کی دس سالہ زندگی میں پیش آنے والے غزوات و سرایا کے اسباب و وجوہ علامہ قسطلانی کی مشہور کتاب مواہب لدنیہ سے پیش کر رہا ہوں۔

غزوۂ بدر کے بعد غزوۂ سویق غزوۂ احد غزوۂ خندق ہوئے ہیں ان کے بارے میں تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قریش نے ان موقعوں پر اپنی ساری طاقت اسلام اور اسلام کا نام لینے والوں کے مٹا دینے پر لگا دی تھی اور حسب حالات بڑی سے بڑی فوج لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے جن کی مدافعت کے لیے حضور کو میدانِ جنگ میں آنا پڑا۔

ظہور اسلام کے بعد قریش کی مخالفت نے قبائل عرب میں ایک آگ لگا دی تھی، کسی قبیلہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا، مدینہ پر حملہ کا خطرہ ہمہ وقت تھا، راتوں کو صحابہ کرام پہرے دیتے تھے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت قبائل کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر رہتے تھے آئے دن خبریں موصول ہوتی تھیں کہ فلاں قبیلہ اجتماع کر رہا ہے، فلاں سردار قبیلہ مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے، فلاں مقام پر حضور سے جنگ کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں، ذیل کے غزوات و سریہ انھیں خبروں کی بنیاد پر وجود میں آئے، غزوۂ بنو سلیم، غزوۂ بنو غطفان، سریہ ابوسلمہ، سریہ عبداللہ بن انیس، غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ بنی المصطلق، سریہ فدک، سریہ عبداللہ بن رواحہ، سریہ بشیر بن سعد، سریہ ابوحدرد اسلمی، غزوۂ ذات السلاسل، غزوۂ حنین، غزوۂ نخلہ، غزوۂ طائف، غزوۂ تبوک کے موقعوں پر خبریں ملیں کہ مدینہ پر حملے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں، چناں چہ پیش قدمی کی گئی، کبھی مقابلہ ہوا، کبھی دشمن فرار ہو گئے، کبھی خبریں بے بنیاد ثابت ہوئیں حضور کی طرف سے کسی قبیلہ پر حملہ کے لیے اقدام نہیں کیا گیا۔

غزوۂ ذی قرد، سریہ زید ابن حارثہ، سریہ وادی القریٰ، سریہ کرز بن جابر الفہری، غزوۂ موتہ اس لیے پیش آئے کہ کبھی صحابہ کرام کے مال تجارت پر ڈاکہ ڈالا گیا کبھی حضور کی چراگاہ پر حملہ کیا گیا یا قاصد کو قتل کیا گیا اور مال و اسباب لوٹ لیا گیا اس وجہ سے ان کا تعاقب کیا گیا۔

بعض قبائل سے امن کے معاہدے تھے جب انھوں نے عہد شکنی کی اور آمادۂ جنگ ہوئے تو ان سے جنگ کی نوبت آئی، غزوۂ بنو قینقاع، غزوۂ بنو النضیر، غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ خیبر، سریہ دومۃ الجندل، فتح مکہ کی لڑائیاں اسی عہد شکنی کے نتیجہ میں ہوئیں۔

بنو لحیان کے آدمیوں نے متعدد صحابہ کرام کو دھوکہ سے قتل کر ڈالا تھا اس لیے ان کا تعاقب کیا گیا، سریہ نجد، سریہ عکاشہ بن محصن، سریہ محمد بن مسلمہ، سریہ ابوعبیدہ بن الجراح، سریہ زید ابن حارثہ بنو سلیم کی طرف، سریہ زید بن حارثہ بنو ثعلبہ کی جانب، سریہ صدیق اکبر، سریہ عمر بن المطلب، سریہ بشیر بن سعد، سریہ اسامہ بن زید، سریہ غالب، سریہ ابو قتادہ، سریہ محلم بن جثامہ، سریہ عبداللہ بن حذیفہ، سریہ خبط وغیرہ ان تمام سرایا میں اسباب و وجوہ مذکور نہیں ہیں لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ انھوں نے بھی شرارتیں کی ہوں گی اور آمادۂ جنگ رہے ہوں گے کیوں کہ یہ سریہ جن قبیلوں کی طرف بھیجے گئے وہ قریش کے حلیف تھے اور قریش والوں سے جنگ جاری تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بدر، احد، خندق وغیرہ میں ان کے آدمی مارے گئے ہوں اور ان کے انتقام کا جذبہ ابھرا ہو اس کے نتیجہ میں انھوں نے حضور کے خلاف ریشہ دوانیاں کی ہوں اور یہ تو بالکل طے شدہ بات ہے کہ اسلام اس بت پرستی کا سخت دشمن تھا جو پورے عرب میں عام تھی، اس لیے ہر قبیلہ بلا استثنا اسلام کے خلاف اپنے سینوں میں جذبۂ عداوت لیے ہوئے تھا اور جن قبائل کو موقعے ملتے رہتے تھے وہ مدینہ پر حملے اور چڑھائی کے لیے جد و جہد کرتے رہتے تھے اس لیے حضور کو ان کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔

مذکورہ بالا غزوات و سرایا کے علاوہ بھی تقریباً دو درجن اور بھی چھوٹی چھوٹی مہمیں ہیں جو بالعموم دس دس بارہ بارہ آدمیوں پر مشتمل ہوتی تھیں مختلف اطراف میں بھیجی گئی تھیں جن میں بالعموم مقابلے نہیں ہوئے، ان مہموں کا مقصد قبائل عرب کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی تھی کیوں کہ یہ خطرہ ہمیشہ دامن گیر رہتا تھا کہ کب کوئی قبیلہ شرارت پر آمادہ ہو کر فساد پیدا کر دے، میں نے ان سریوں کا یہاں ذکر نہیں کیا کیوں کہ اس کے دور رس اثرات مرتب نہیں ہوئے اس لیے اس کی ضرورت نہیں تھی۔

(باقی آئندہ)

کام کی باتیں

- ان کا ذرا بہت خیال، اس عزت مند کی جو ذلیل ہو گیا ہو، اس مالدار کی جو فقیر ہو گیا ہو، اس عالم کی جو جاہلوں میں گھری زندگی بسر کر رہا ہو، بہت عزت کرو۔
- کلمہ خیر کہو، مسلمانوں کی بدگوئی سے باز آؤ اور مرنے والے کے حق میں کلمہ خیر کہو
- انتہا ابتداء سے بہتر، کار نیک کی انتہا ابتداء سے بہتر ہے۔
- اللہ سے حیا کرو، اللہ سے بہت حیا کرو کیونکہ خدا نے جس طرح تم میں رزق کی تقسیم کی ہے اسی طرح اخلاق کی بھی تقسیم کی ہے۔

ھندوستان پر

نادر شاہ

کے حملے کی دلچسپ داستان

(۴)

حافظ حسان علوی بی اے آنرز

اس طرح صوبہ پنجاب (جو ہندوستان میں داخل ہونے کا دوسرا راستہ تھا) بھی غیر محفوظ تھا، اور شہنشاہ اور امرائے سلطنت کی نگاہوں سے غافل پڑا ہوا تھا عبدالصمد خاں کا لڑکا زکریا خاں لاہور اور ملتان کا گورنر تھا، اس کا خاندان چونکہ سنٹرل ایشیا کے ایک مقام احرار سے ہندوستان آیا تھا۔ اس لئے وہ تورانی پارٹی کا ایک مضبوط ستون تصور کیا جاتا تھا، اس کی ماں مرحوم وزیر محمد امین خاں کی بیوی کی بہن تھی اور اس نے قدرتی طور سے خان دوراں کی ہندوستانی پارٹی کی سخت مخالفت پر لوگوں کو ابھارا، زکریا خاں ایک بہادر باعمل سپاہی اور ایک اچھا منتظم تھا، اس نے امن و امان اور خوش حالی سے صوبہ کو مالا مال کر دیا تھا۔ اس کو امن و امان قائم رکھنے کے لئے نہ معلوم کتنی بغاوتوں کو دبانا پڑا، اور نہ معلوم کتنے باغیوں کا سر کچلنا پڑا ہے لیکن ہندوستانی پارٹی کے ہاتھ میں شہنشاہ کٹھ پتلی بنا ہوا تھا، اس کی ہر چیز کے مالک وہی لوگ تھے، جس وقت بھی جو کچھ ملا، اس کے کانوں میں بھر دیا جاتا تھا تو اس طرح زکریا خاں کی پچاسوں درخواستیں دربار میں پیش نہ ہونے دی گئی، اس کے چال چلن اور رہن سہن کی غلط نمائندگی کی گئی اور نادر شاہ کے حملہ کے وقت فوج اور روپیہ اس کو بھیجے جانے سے روک دیا گیا![1]

ہندوستان میں داخل ہونے کے راستے پہلے ہی ہلے میں نادر شاہ کے قدموں کے نیچے آگئے، اور بے دقوت شہنشاہ اور اس کے مشیر کار ان بیکار امیدوں میں اب تک دفاع کرنے کے متعلق برابر دیر لگا رہے تھے کہ "دشمن افغانستان کے دشوار گزار راستوں اور خوفناک گھاٹیوں اور پنجاب کے طوفانی دریاؤں کو کسی طرح پار ہی نہیں کر پائے گا"۔

[1] تاریخ آنند رام ص ۱۳۰۔

یہ تھی حالت اس وقت کے شمال مغرب کے سرحدی صوبوں کی جس وقت ان پر طوفان پھٹ پڑا تھا۔

جنوبی افغانستان کی طرف نادر شاہ کی پیش قدمی اور مغلوں کی پہلی شکست

۱۰ مئی ۱۷۳۹ء کو ایرانی بادشاہ نے اپنے افغان دشمنوں کا خاتمہ کرنے کے لئے جنوبی افغانستان کی طرف پیش قدمی شروع کی، چشمہ تحور میں مغل سرحد کو پار کرنے کے بعد غزنی کے جنوب مغرب سے ۳۶ میل دور قارہ باغ میں اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ اپنے چھوٹے لڑکے نصراللہ کی قیادت میں ایک زبردست فوجی دستہ کابل کے شمال مغرب میں بامیان اور غور بند کے افغانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جیسے ہی نادر شاہ قارہ باغ پہونچا غزنی کا مغل گورنر خوف و دہشت میں بھاگ کھڑا ہوا دوسرا شہر، طلبا اور قاضی نے نادر شاہ کا شاندار استقبال کیا اور تحائف وغیرہ پیش کئے ۳۱ مئی کو بغیر جنگ کئے وہ پورے سکون و اطمینان کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا اور وہاں کے لوگوں سے اچھا برتاؤ کیا۔

دو دوسرے دستے ہزاری قبیلہ یا پہاڑی افغانوں کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ یہ علاقے غزنی کے جنوب مغرب میں واقع ہیں۔ ان علاقوں کے لوگوں نے نادری فوج کی مزاحمت کرنے کی کوشش کی، لیکن سب قتل کر دیئے گئے۔ ان کی عورتیں قیدی بنالی گئیں، اور ان کے مکانات برباد کر دیئے گئے۔ اس طرح نادر شاہ فتح کے شان دار جھنڈے گاڑتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور پھر کابل کی طرف اپنا رخ موڑ دیا۔ شہر کے سرداروں نے اس طوفان سے بچنے کے لئے راستہ میں اس کا استقبال کیا اور نادر شاہ نے ان سرداروں کو خلعت فاخرہ سے نواز کر واپس کیا اور ان سے بہت خوش ہوا۔ لیکن قلعہ کے کمانڈنٹ شرزا خاں نے اپنی افواج کے ساتھ مزاحمت کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور پھر قلعہ بند ہو کر دفاع کے لئے تیار ہو گیا۔

نادر شاہ کا ہراول دستہ ۱۰ جون کو قلعہ کے قریب اپنے خیمے لیکر پہونچ گیا۔ قلعہ کی محافظ فوج نے باہر نکل کر ان لوگوں کے خلاف جنگی مظاہرہ کیا۔ ہراول دستہ نے ان لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی، اور چپ چاپ ان کے چیلنج کو قبول نہ کرتے ہوئے اٹنگ کے مقام کی ایک محفوظ جگہ پر قلعہ کی دیواروں سے دور اپنے خیمے نصب کرنے میں لگا رہا، نادر شاہ بذات خود ۱۱ جون کو یہاں پہونچا اور دوسرے ہی دن وہ ایک سیاہ چٹان کیطرف شہر کے اطراف کا معائنہ کرنے اور قلعہ کی حفاظتی تدابیر دیکھنے کے لئے نکل گیا۔ قلعہ کی محافظ فوج نے اس پر آتشیں گولے برسانا شروع کر دیئے، لیکن ایرانیوں کا ایک دستہ دیواروں کے نزدیک ان کو بھگا کر لے چلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب نادر شاہ نے شہر پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس کی بڑی اور چھوٹی توپیں قریب کی بلندیوں پر پہونچا دی گئیں تب وہاں سے گولہ باری شروع کی گئی۔ ساتویں روز ۱۹ جون آقابن کا مینارہ جھول کر نیچے آ رہا۔ اور جس کی وجہ سے دیوار کا ایک حصہ بھی ٹوٹ کر گر پڑا، قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا، اور کابل کا شاہی خزانہ گھوڑے ہاتھی، اور دوسرا ساز و سامان سب نادر شاہ کی ملکیت میں آگیا۔

یہاں وہ صوبہ کا انتظام کرنے کے لئے چالیس روز ٹھہرا رہا، اور یہیں پر اس کا لڑکا نصراللہ بیگ اس سے آکر مل گیا (یکم جولائی) جو غور بند اور بامیان کو فتح کرنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ اسی دوران دہلی کے سفیر کا اس کو خط موصول ہوا کہ "شہنشاہ نہ ہی اس کے خط کا جواب دے رہا ہے اور نہ ہی مجھ کو جانے کی اجازت دے رہا ہے" اس خط کے وصول ہونے کے بعد نادر شاہ نے شہنشاہ کو ایک سخت احتجاجی مراسلہ ایک تیز رو ہرکارہ کے ہاتھ روانہ کیا، اور ساتھ میں کابل کی چند اہم شخصیتوں کو بھی روانہ کیا گیا تاکہ وہ مغل دربار میں افغانستان کے صحیح حالات سے شہنشاہ کو آگاہ کر دیں اس خط میں نادر شاہ نے لکھا تھا کہ:

> "آپ نے سفارتی خطوں کے جوابات دینے میں زبردست تاخیر کی ہے، میں آپ پر وعدے سے پھر جانے کا الزام لگاتا ہوں، اور آپ پر میرے آخری سفیر کو ایک سال سے زیادہ اپنے یہاں روک لینے کا بھی الزام ہے، جو دنیا کے دستور اور سفارتی رواج کے خلاف تھا۔"

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ:

> "افغانوں نے ہندوستان سے زیادہ ایران میں افراتفری پھیلا رکھی تھی، اور ایک عذاب بنے ہوئے تھے اس لئے میں ان کو برباد کرنے کے لئے ایران سے آیا ہوں، اس بات سے میں آپ کی مغل سلطنت کی بہت بڑی خدمت انجام دے رہا ہوں، کابل میں شاہی فوج اور افغانوں کے درمیان گٹھ جوڑ نے مجھ کو اس جنگ کے لئے مجبور کیا لیکن اب ان کے ہتھیار ڈالنے سے میں نے ان کو اس نقصان سے بہت دور ہٹا دیا ہے، یہاں آنے کا میرا واحد مقصد یہ اور صرف یہ ہے کہ میں افغانوں جیسے دشمنوں کا قلع قمع کر دوں۔"

پوری پارٹی ۳ جولائی کو کابل سے روانہ ہوئی، جلال آباد پہونچنے پر کابل کے امراء کو مقامی گورنر نے واپس جانے کے لئے اصرار کیا، اور ہرکارہ اور اس کے نو محافظ لوٹ لئے گئے اور قتل کر ڈالے گئے۔

اس دوران یہ کابل میں سامان خورد و نوش کی کمی دیکھ کر نادر شاہ ۱۹ جولائی کو یہاں سے روانہ ہو گیا اور صافی اور چہار ایک بجرد کے خوشحال علاقوں کی طرف آگیا اور پہاڑوں پر اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ بائیس دن یہاں قیام کرنے کے بعد ۵ اگست کو وہ یہاں سے گندمک کے لئے روانہ ہوا، اب اس کے ساتھ ان علاقوں کے خاص خاص قبائل کے لوگ بھی تھے۔

تب ہرکارہ اور اس کے محافظین کے قتل کی خبر اس کو ملی۔ ایرانی ہراول دستہ نے یکبارگی جلال آباد پر دھاوا بول دیا اور وہاں کے غلہ کے ذخیرہ پر قبضہ کر لیا۔ گورنر فرار ہو گیا سرداروں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ۷ ستمبر کو قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ نادر کے ہرکارہ کو قتل کرنے کی سزا میں شہر کے اندر قتل عام شروع کر دیا گیا۔ میر عباس کے لڑکے کے پہاڑی قلعہ پر ایک طوفانی حملہ کر کے وہاں کے آدمیوں کو تلواروں سے کاٹ کر رکھ دیا گیا اور عورتیں (جن میں اس کی بیوی اور اس کی بہن بھی شامل تھی) ایرانی خیموں میں قیدی بنا کر لے آئی گئیں۔

ملکی انتظام کر کے چند دن کے بعد ایرانی بادشاہ بہار شولائی کے مقام کی طرف بڑھ گیا، جو جلال آباد کے جنوب میں واقع ہے، ہندوستان میں اپنی طویل مصروفیت کو دیکھتے ہوئے اور ایران میں جنگ ہو جانے کے ڈر سے نادر شاہ نے اپنے بڑے لڑکے مرزا رضا قلی کو نائب بادشاہ کا تاج پہنا کر ایران روانہ کیا (۵ نومبر) اس موقع پر بڑا جشن منایا گیا، مرزا رضا قلی کے ساتھ اچھی خاصی فوج بھی تھی۔ (باقی)

دار المصنفین بقیہ ص ۱۱

مباحث کا دروازہ کھلا اور ان لوگوں کو اسلام اور علوم اسلامیہ کی خدمت کے نئے طریقے اور نئے انداز معلوم ہوئے جو اب تک غیر مفید مناظرانہ رسائل کی تالیف اور قدیم عربی کتابوں کی تعلیق و تحشیہ کے لا حاصل کاموں میں لگے ہوئے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ علامہ شبلی اپنی زندگی کے آخری حصے میں ندوہ سے الگ ہو جاتے ہیں مگر قلبی لگاؤ کا جو عالم ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ ایک شاگرد کو اس کے بعد بڑی فراخ دلی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "میری زندگی کا مقصد ندوہ ہی رہے گا"۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "کام کرنے کی جگہ دراصل ندوہ ہے" یہیں سے وہ افراد تیار ہو سکتے ہیں جن کی ملک و قوم کو ضرورت ہے، افسوس آپ کی زندگی نے وفا نہیں کی اور آپ اپنی علمی تحریکات کو خود پروان چڑھتا نہ دیکھ سکے۔ تاہم آپ کے بعد آپ کے شاگردوں نے آپ کے علمی مشن کو جس طرح آگے بڑھایا وہ لائق صد تحسین اور قابل صد ستائش ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا عبد الماجد دریا بادی، مہدی حسن افادی الاقتصادی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا اقبال احمد خاں سہیل، مرزا احسان احمد جیسے لوگوں کا نام ہے اور آپ کے شاگردوں میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، مولانا عبد الباری ندوی۔ سید صباح الدین عبد الرحمن وغیرہ جیسے ماہرین علوم و فنون لوگ بھی جن کی سر توڑ جد و جہد اور دلچسپی سے آج دار المصنفین دنیا کے جدید علمی تحقیق کے اداروں میں ایک نمایاں حیثیت کا مالک ہے۔

یہ البتہ افسوس کی بات ہے کہ دار المصنفین جس کے علمی اور تحقیقی کارناموں کا شہرہ ہندوستان سے نکل کر چار دانگ عالم میں پھیل رہا ہے خود اپنے گھر (ہندوستان) میں پوری طرح روشناس نہیں، لوگ عام طور پر یہاں اسے صرف ایک لائبریری اور ایک مطبع کی حیثیت سے جانتے ہیں، حالانکہ یہ کس قدر لغو اور مہمل بات ہے، دار المصنفین ایک مستقل تربیت گاہ اور ایک خود مکتفی ادارہ ہے جہاں صرف مصنفین رہتے ہی نہیں، پیدا بھی کئے جاتے ہیں یہاں مسائل کی علمی تحقیق، کتابوں کی تالیف، تصنیف اور ترتیب و کتابت سے لیکر اس کی فروخت تک کے تمام مسائل کا ایک منظم اور معقول انتظام ہے۔ دار المصنفین کی فراہم کردہ ایک اطلاع کے مطابق اب تک تقریباً سو ایسی کتابیں یہاں سے شائع کی گئیں جو بجا طور پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہیں، خوشی کی بات ہے کہ دار المصنفین کی بیشتر کتابیں ہندوستان اور پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب کے لئے تجویز کی گئی ہیں۔ بہت سی کتابوں کا دوسرے ممالک میں ترجمہ بھی ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی شہرت، افریقہ اور یورپ کے مختلف ملکوں، افغانستان، عراق، عرب، مصر، ترکی، انگلینڈ، فرانس، جرمنی اور امریکہ میں بھی پہونچی اور وہاں کے علمی حلقوں سے اس کا تعلق اور ربط قائم ہوا۔

پچاس سالہ جشن تاسیس کے اس موقع پر ضرورت ہے کہ ہم اس کی طرف زیادہ سے زیادہ تعاون اور دوستی کا ہاتھ بڑھائیں تاکہ اردو کا یہ عظیم ادارہ زیادہ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے اگلے پروگراموں کی تکمیل کر سکے۔ عام لوگوں خصوصاً نئے لکھنے والوں کو جو دار المصنفین میں آتے ہیں یہ شکایت ہے کہ دار المصنفین کا ماحول کچھ اجنبی سا لگتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس بات میں کلی طور پر کوئی صداقت نہ ہو۔ تاہم اس طرف بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے، پرانے لوگوں میں کچھ تو راہی ملک ہوئے اور کچھ زندگی کے اس آخری سفر کے لئے تیار بیٹھے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ نئے آنے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولت بہم پہونچائی جائے تاکہ علامہ شبلی مرحوم کی تجویز کے مطابق دار المصنفین پر کسی کو چند مخصوص لوگوں کی اجارہ داری کا وہم تک نہ ہو اور تمام مسلمانوں عموماً اور مصنفین اور اہل قلم حضرات بالخصوص اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

براہ کرم
خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر کا
حوالہ ضرور دیں

دارالمصنفین کا ماضی اور حال

تنویر الحسن صدیقی ندوی

دارالمصنفین کو علامہ شبلیؒ کی امید اور سید سلیمان ندویؒ کی جد وجہد کا نتیجہ کہنا زیادہ مناسب ہے نہ معلوم کب سے وہ اس کے قیام کے منصوبے بنا رہے تھے۔ لیکن زندگی کے جھگڑے انھیں چین سے بیٹھنے نہ دیتے، اس لئے دارالمصنفین کا کام موخر ہوتا رہا جیسا کہ ان کے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے جو انھوں نے مولانا مسعود علی صاحب ندوی کے نام تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں نے یہاں اپنا مستقل انتظام کر لیا ہے، ہر طرح کا آرام اور پھیلاؤ ہے۔ تعلیم کے کام شروع ہو گئے ہیں، کسی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں، بالکل ایک بادشاہت معلوم ہوتی ہے، اور افسوس ہوتا ہے کہ میں نے کیوں اتنے دن پاجیوں میں بسر کئے، باغ ہے بنگلہ ہے، حکومت ہے، گریجایٹ ہیں، اسکول ہے تعلیمی انجمن ہے اور سب حسب خواہ کام کرتے ہیں نہ کہ وہاں سگان بازاری کے ساتھ عوعو میں مبتلا ہونا دارالمصنفین میں بھی شروع ہو جائے گا۔"[۱]

یہ صحیح ہے کہ شبلیؒ نے دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی لیکن موت نے انھیں اتنا موقع نہ دیا کہ دارالمصنفین کے کاموں کو آگے بڑھاتے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ دارالمصنفین کی داغ بیل انھیں کے ہاتھوں پڑی اور یہ انھیں کے ہاتھوں کی کرشمہ سازی ہے کہ اتنی تھوڑی مدت میں دارالمصنفین نے اتنی ترقی کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ شبلیؒ ان لوگوں میں ہیں جن کی زندگی بڑے بڑے تعمیری کاموں سے معمور ہے اور جن کی زندگیاں قوم کی اصلاح و تربیت کے لئے وقف ہیں اور جو اپنے بعد ایسی نایاب چیزیں چھوڑ جاتے ہیں جن سے دنیا والے رہتی دنیا تک فائدہ اٹھائیں۔

جہاں تک دارالمصنفین کے قیام کا تعلق ہے اس کے لئے علامہ شبلیؒ بہت پہلے ہی سے منصوبہ بنا رہے تھے لیکن مختلف مشاغل انھیں اس کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہے تھے علی گڑھ چھوڑنے کے بعد انھیں اس طرف توجہ دینے کا موقع ملا۔

۱۹۱۳ء میں جب انھیں ندوہ چھوڑنا پڑا تو دبی ہوئی چنگاری سلگنے لگی اور آہستہ آہستہ اس نے شعلہ کی شکل اختیار کر لی اور وہ اپنے وطن اعظم گڑھ آئے اور اپنے گھر کو ایک ادارہ کی شکل میں بدل دیا، اسی میں انھوں نے ایک لائبریری قائم کی اس میں اپنی اور اپنے دوستوں کی کتابوں کو جمع کیا جن کی مجموعی تعداد بمشکل سو رہی ہوگی۔ اس کے بعد اپنے شاگردوں کے پاس اسی غرض سے خطوط لکھے، ان کو اعظم گڑھ آنے کی دعوت دی۔ فرماں بردار شاگردوں نے اپنے استاد کی دعوت پر لبیک کہا، اور کسی نے تو اعظم گڑھ میں مستقل سکونت کی ٹھان لی۔

لیکن ابھی صحیح معنوں میں دارالمصنفین کا وجود بھی نہیں ہوا تھا کہ علامہ شبلی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور ان کے شاگردوں اور اعزا و اقربا نے پرنم آنکھوں اور روتے ہوئے دلوں کے ساتھ انھیں ایک گوشہ میں دفن کر دیا۔

اس وقت دارالمصنفین صرف ایک باغ چند کمروں اور چند الماری کتابوں پر مشتمل تھا۔

لیکن یہ ناممکن تھا کہ جس درخت کو علامہ شبلی نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہو اور وہ برگ و بار نہ لائے۔ ان کی وفات کے بعد ہی اللہ تعالےٰ نے اس کا انتظام فرما دیا اور ان کے نجیب طلبہ نے اپنے مرحوم استاذ کی اس آرزو کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

علامہ شبلی نعمانی کی وفات کے تیسرے دن ایک کمیٹی "اخوان الصفا" کے نام سے تشکیل ہوئی جس کے صدر مولانا حمید الدین فراہی اور سکریٹری سید سلیمان ندوی اور مولانا مسعود علی صاحب ندوی ناظم مقرر ہوئے اور تینوں حضرات نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا۔

سب سے پہلے اس کمیٹی نے شبلی رحمہ کی سیرۃ النبی کی تکمیل کا کام شروع کیا جس کے لئے سب سے پہلے سرمایہ کی ضرورت تھی، اسی غرض سے مولانا حمید الدین فراہی اور سید سلیمان ندوی نے بھوپال کا سفر کیا اور وہاں پر جد وجہد کے بعد ان حضرات نے اتنی رقم حاصل کر لی جس سے سیرۃ النبی کی طباعت کا کام بآسانی پایہ تکمیل کو پہنچے اور اس کے بعد سید صاحب نے اپنے آپ کو سیرۃ النبی کے مکمل کرنے میں لگا دیا۔

اس کے بعد توسیع عمارت کی طرف توجہ ہوئی اور اس کے لئے جد وجہد شروع ہو گئی، لوگوں نے ایثار و قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی وہ عمارتیں جو دارالمصنفین سے وابستہ تھیں، اس کار خیر کے لئے دارالمصنفین کو دے دیں، اس طرح عمارات کا مسئلہ خود بخود اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا، اور یہ اہل علم اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ سید صاحب نے مضامین و مقالات کے ذریعہ تعارف کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا حمید الدین صاحب مرحوم نے مالی حیثیت سے دارالمصنفین کو مضبوط کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور مولانا مسعود علی ندوی نے انتظامی معاملات کو اپنے ذمہ لیا۔ اس طرح دارالمصنفین کا کام چل پڑا اور وہ اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے میں مشغول ہو گیا۔

دارالمصنفین کے قیام کے وقت حسب ذیل مقاصد تھے۔

(۱) اچھے مصنفین اور ادبا کی ایک جماعت تیار کرنا

(۲) ہر فن میں معیاری کتابوں کا شائع کرنا اور دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرنا

(۳) کتابوں کے چھاپنے اور ان کے پھیلانے کا اہتمام کرنا۔

ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے دارالمصنفین میں مختلف شعبے قائم کئے گئے۔

(۱) شعبہ سیرۃ النبوی:۔ ابتداً یہ شعبہ صرف علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی کی تکمیل کے لئے قائم کیا گیا۔ اور علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور یہ کام بفضلہ تعالیٰ مکمل ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ اس شعبہ میں سیر صحابہ اور سیر صحابیات پر بھی مختلف کتابیں لکھیں گئیں جسکو کئی رفقا نے مل کر مکمل کیا، ۱۰ سال کی مسلسل (باقی ص پر)

[۱] حیات شبلی ص ۷۹۵

غزل

شارق اجے پوری

کیسے یہ کہہ دوں موسم گل سازگار ہے
کلیاں جھلس رہی ہیں یہ فصلِ بہار ہے

یاران تشنگان محبت خبر بھی ہے
ہر سو فضا میں آج لہو کی پکار ہے

کب تک صدائیں دوں در انسانیت پہ میں
خاموشیوں کا راج ہے کیسا دیار ہے

میں سوچتا ہوں ترک تعلق کے باوجود!
کیا بات ہے کہ ان کا بہت انتظار ہے

اے عصر نو کے تازہ خداؤ جواب دو
ہستی پہ اپنی تم کو، کہو اختیار ہے

اس ہند کے حسین گلابوں کی خیر ہو
گلچیں ہی جبکہ پردے میں تخریب کار ہے

پہونچے نہ جس جگہ پہ فرشتوں کے بھی قدم
دیکھو وہاں پہ شارقِ الفت شعار ہے

کچھ بھی نہیں

دل ایوبی ٹونکی

وحشت و مستی و حیرت کے سوا کچھ بھی نہیں
ہے جسے اس کا پتا اپنا پتا کچھ بھی نہیں

ہستی عالم اشیا ہو کہ ہو اپنا وجود
سب کچھ اک وہم مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

عشق تو زندۂ جاوید بنا دیتا ہے
عشق کے باب میں مفہوم فنا کچھ بھی نہیں

عکس زلف و رخ جاناں کا کرم ہے ورنہ
روز و شب کچھ بھی نہیں صبح و مسا کچھ بھی نہیں

حسن کی وہ بھی ادا حسن کا یہ بھی انداز
ظلمتیں کچھ بھی نہیں نور و ضیا کچھ بھی نہیں

ہے مرے فکر کی پستی و بلندی کا ظہور
ورنہ کیا چیز ہیں یہ ارض و سما کچھ بھی نہیں

کب سے ہے کون ہے، کیوں ہے وہ کہاں ہے کیا ہے
ذات بیچوں میں یہ سب چون و چرا کچھ بھی نہیں

اور سب کچھ ہو زمانہ کو مبارک اے دل
یاں تو دامن میں محمد کے سوا کچھ بھی نہیں

دارالمصنفین اعظم گڑھ

بسمل اشاکری بارہ بنکوی

علم و ادب کا مرکزِ اعلیٰ کہیں جسے
اور آسمان فن کا ستارا کہیں جسے
وہ جس کا فیض عام ہے ہندوستان پر
بہتی ہوئی حسین سی گنگا کہیں جسے
ہر ذرہ جس کا ایک دُرِ شاہوار ہے
اردو ادب کا ملجا و ماویٰ کہیں جسے
اہل نگاہ میکدۂ علم و فن کہیں
اور تشنگان علم کی صہبا کہیں جسے
قائم ہے جس کے دم سے بساط ادب ابھی
شعر و سخن کا باعثِ احیا کہیں جسے
پھولا پھلا چمن، وہ مہکتا ہوا چمن
شبلیؔ کی ذات پاک کا صدقہ کہیں جسے
بیرون ہند و ہند میں شہرت نہ پوچھئے
دارالمصنفین کی عظمت نہ پوچھئے

دارالمصنفین کی خصوصیات

دارالمصنفین اپنے قیام اور عہد بعہد کی ترقیوں کے بعد جس منزل تک پہنچا ہے اور اس کی جو خصوصیات ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) دارالمصنفین کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنی نوع کا واحد ادارہ ہے، ملک میں تعلیمی ترقی کے لئے سیکڑوں، ہزاروں اسکول کالج اور تربیت گاہیں قائم ہیں، لیکن تمام ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی ایسا مرکز نہیں تھا، جہاں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ کو تحقیق و تلاش، تصنیف و تالیف، غور و مطالعہ اور توسیع معلومات کے لئے تیار کیا جا سکے۔ اور ان کی دماغی تربیت کے سروسامان بہم پہنچائے جائیں۔ تمام ہندوستان میں دارالمصنفین ہی وہ پہلا مرکز ہے، جو ملک کی اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر قائم کیا گیا، وہ محققین و مصنفین کی ایک محدود لیکن ترقی یافتہ جماعت کو تیار کر رہا ہے۔ جو ایثار اور خلوص کے ساتھ علم و فن کی خدمت میں شب و روز منہمک ہے، اور قوم کے نوجوان افراد کے لئے مفید دماغی غذا مہیا کرنے میں مصروف ہے،

(۲) بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں گو ریسرچ اور تحقیق کے لئے ایک دو ریسرچ اسکالر رکھے جاتے ہیں لیکن ان میں وہ نصب العین، وہ سطح نظر اور وہ دائرۂ خیال کہاں پیدا ہو سکتا ہے، جس کا مرکزی نقطہ "اسلامیت" ہے، ہماری ہر تحقیق، ہر تحریر، ہر کاوش، ہر مطالعہ اور ہر غور و تجسس کا مقصد اسلام اور اسلامی علوم کی خدمت ہونا چاہئے، اور دارالمصنفین یہی خدمت انجام دے رہا ہے۔

(۳) ہر شخص کا ایک خاص ذوق ہوتا ہے، اور اسی ذوق کے مطابق وہ تحقیق و مطالعہ اور تصنیف و تالیف کرتا ہے، ہندوستان میں آج تک شخصی حیثیت سے جن بزرگوں نے تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے، انھوں نے اسی اصول کے مطابق کیا ہے، اس بنا پر ہندوستان میں ادبی، تاریخی اور فلسفیانہ تصانیف کے جو سلسلے ہیں، وہ خاص خاص بزرگوں کی طرف منسوب ہیں، لیکن ہندوستان میں کوئی ایسا مرکز نہیں تھا، جو مختلف مذاقوں کے دفتر کو ایک شیرازے میں منسلک کر دے، اور وہ ہر قسم اور ہر نوع کی تصنیفات کا ایک مشترک مرکز بن جائے، دارالمصنفین اسی مقصد کے پیش نظر قائم کیا گیا ہے، اس لئے وہ ہر قسم کے دماغ اور ہر قسم کے ذوق کے لوگوں کی تربیت کر سکتا اور ہر فن کی تصنیفات پیش کر سکتا ہے،

(۴) مطالعہ و تصنیف کی ترقی کے لئے سب سے مقدم چیز بہترین کتابوں کا انتخاب ہے، ہندوستان میں آج تک صرف گنتی کے چند بزرگ تھے، جن کی کتابیں مطالعہ کے لئے بہترین خیال کی جاتی تھیں، لیکن وہ بزرگ دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی تصنیفات کا بھی بار بار مطالعہ کر لیا گیا، ان کے بعد مختلف النوع تصنیفات و تالیفات کا ایک انبار لگ گیا ہے لیکن اس میں سے بہترین اور قابل مطالعہ کتابوں کے انتخاب کا کوئی معیار نہیں ہے، ایسی حالت میں ضرورت تھی کہ ایک ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کی تصنیفات و تالیفات بجائے خود انتخاب کا معیار بن جائیں، دارالمصنفین اردو کے اسی معیاری ادب کے لئے قائم کیا گیا ہے، اور آج تک اس نے جو کتابیں شائع کی ہیں۔ وہ سب معیاری، بلند پایہ، مستند اور قابل مطالعہ ہیں، اور ان کا اردو ادب میں ایک خاص مقام ہے۔

(۵) تصنیفات سے زیادہ، ان کے لئے مستند تصنیفات کا مہیا کرنا ضروری ہے، اس علمی ترقی کے روز بازار میں عربی، فارسی، انگریزی، فرنچ اور جرمن میں سیکڑوں اور ہزاروں نئی نئی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، قدیم تصنیفات کو ایڈٹ کر کے شائع کیا جا رہا ہے، جن کے مطالعہ کے بعد آئندہ تصنیف کے لئے بہت سے جدید عنوانات اور معلومات ہاتھ آتے ہیں، دوسرے جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ان پر معتد بہ اضافہ کیا جا سکتا ہے ہندوستان میں کتابیں تو بہت لکھی جاتی ہیں، لیکن یہاں کوئی ایسا کتب خانہ موجود نہیں ہے، جو آئندہ کی تصنیفی ضروریات کے لئے قدیم و جدید کتابوں کا ذخیرہ مہیا کر تا رہے، دارالمصنفین کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جہاں وہ معیاری تصنیفات و تالیفات ملک کے سامنے پیش کر رہا ہے، تصنیف و تالیف کے لئے قدیم و جدید کتابوں کا ذخیرہ بھی مہیا کر رہا ہے، چنانچہ اسی غرض سے ایک وسیع کتب خانہ بھی قائم کیا ہے، جس میں برابر تصنیفی ضرورت کے لئے کتابوں کا ذخیرہ جمع ہوتا جا رہا ہے۔

مولانا آزاد نے کہا

دارالمصنفین کے دائرہ کو جس قدر تنگ رکھئے گا، اسی قدر وہ حقیقی اور عملی ہوگا، دو چار آدمی اچھے کام کر سکتے ہیں، لیکن جمع جہلا بیکار ہے، بڑی چیز یہ ہے کہ آئندہ ایسے نمونے قائم کئے جائیں، جن میں حقیقت ہو، اور رسم پرستی و رسم سے احتراز کیا جائے۔ آپ دارالمصنفین کو اس کا پہلا نمونہ بنائیے۔"

ایک اور خط میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"دارالمصنفین کے لئے بہت ضروری ہے کہ اسے حقیقت اور اصلیت کا نمونہ بنایا جائے اور اس کے دائرہ کو اتنا وسیع نہ کیا جائے کہ ہر اڈیٹر، اہل قلم، اور ہر مضمون نگار مصنف ہو، ورنہ سب کچھ بے سود ہے، وہ وقت ابھی سے پیدا کرنا چاہئے کہ اس کا نام سند اور سرٹیفکیٹ کا کام دے۔"

بقیہ دارالمصنفین ص ۲۰

جد و جہد کے بعد اس شعبہ سے ایسی کتابیں شائع ہوئیں جن کی نظیر پیش کرنا ناممکن ہے اور جن کتابوں نے عیسائیوں اور اسلام دشمنوں کو دندان شکن جوابات دئے ان کی باتیں پست کر دیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اسلام کا مقابلہ کرنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اسوہ صحابہ، اسوہ صحابیات، سیر صحابیات، سیر الانصار، سیر خلفاء راشدین، حیات مالک، سیرۃ عائشہ، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، وغیرہ۔

شعبہ تصنیف و تالیف

دارالمصنفین کا جو اصل مقصد تھا اس کے تحت اس شعبہ کا قیام لازمی اور ضروری تھا، چنانچہ یہ شعبہ قائم ہوا گو کہ ابتداء اس میں صرف سید صاحب اور مولانا عبدالسلام صاحب ہی تھے لیکن ان دونو حضرات کی جد و جہد سے تھوڑے ہی دنوں میں دارالمصنفین کے بہت سے رفقاء بن گئے جس میں کئی تو آخر وقت تک وہیں رہے اور بعض لوگوں نے درمیان میں ہی چھوڑ دیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شعبے قائم ہوئے اور سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

شعبہ طباعت نے اپنا کام شروع کر دیا۔ کتب خانہ نے کتابوں کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دی شعبۂ تصنیف و تالیف نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھنی شروع کر دیں، اور ہر فن پر تحقیقی کتابیں منظر عام پر آنا شروع ہو گئیں۔

دارالمصنفین جیسے ادارہ کے لئے ضروری تھا کہ اسکا کوئی اپنا ترجمان ہو، جس کے ذریعہ وہ اپنی باتوں کو دوسروں تک پہنچا سکے۔ اس لئے اس کے قیام کے ۲ سال بعد ایک رسالہ معارف کے نام سے دارالمصنفین سے جاری کیا گیا جس کی ادارت سید صاحب مرحوم نے سنبھالی، اور اسکو اپنے علمی شہ پاروں اور دیگر بڑے بڑے ادباء و علماء کی نگارشات سے مزین کرنا شروع کر دیا۔ سید صاحب نے اپنی شب و روز کی محنت و جد و جہد سے معارف کو اس منزل پر پہنچا دیا جس منزل پر دوسرے پرچے برسوں کی کوشش کے بعد بھی نہیں پہنچے۔ سید صاحب مرحوم کو معارف کی ترقی کی جتنی فکر تھی اس کا اندازہ سید صاحب مرحوم کے ان مکاتیب کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے دیگر اہل علم کے پاس لکھا ہے۔ شاید ہی کوئی خط معارف اور اس کے لئے مضمون کے تقاضہ سے خالی ہوتا ہو انہیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہندو پاک میں معارف کے ہم پلہ کوئی دوسرا ماہنامہ نہیں ہے، یہ بھی سید صاحب کی دعاؤں اور کوششوں کا ہی اثر معلوم ہوتا ہے کہ آج معارف کو نکلتے ہوئے ۴۸ سال پورے ہو گئے لیکن کبھی بھی وہ اپنی تاریخ اشاعت سے لیٹ نہیں نکلا۔ آج ۵۰ سال بعد شبلی کی تمنائیں پوری ہو گئیں علامہ سید سلیمان ندوی کی جد و جہد برگ و بار لائی۔ اور اب دارالمصنفین اپنی پچاسویں سالگرہ منانے جا رہا ہے خدا سے دعا ہے کہ وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے اور ایسی ایسی سالگرہیں منانے کا اس کو بار بار موقع ملے۔

بقیہ ادار یہ

یہ آدمی ہے وہ پروانہ شمع دانش کا
کہ روشنی میں رہے روشنی کو پا نہ سکے

دوسری طرف کچھ صاحب اخلاص ہیں جو اس گراں مایہ دولت کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور اہل زمانہ کی ناقدری کے شاکی ہیں، اور انسانیت ان دونوں سروں کے درمیان برابر ہچکولے کھا رہی ہے۔ ندوۃ العلماء کا یہ تخیل اور پیغام نہ صرف مسلمانوں کے موجودہ مسائل کے لئے بہترین حل ہے بلکہ اس میں پوری انسانیت کے مسئلہ کا حل موجود ہے اور بغیر کسی بدگمانی، انتہا پسندی عجلت اور تعصب کے اس کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

اسی تصویر کا دوسرا رخ جس کے بغیر اس کا حسین پیکر ناقص رہے گا یہ ہے کہ قلب کی طرف توجہ کے ساتھ (جو اس کے ابتدائی دور میں بہت نمایاں رہی) اس نے ذہن و دماغ کے شعبہ کی طرف بھی پوری توجہ دی، اور اس میں چار چاند لگا دیئے، اس نے سیرت و تاریخ، علم کلام اور اسلامیات کے دوسرے شعبوں میں جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش اور عالم اسلام کے موجودہ، اسلامی و علمی ذخیرہ اور سرمایہ میں ممتاز و منفرد حیثیت رکھتی ہیں اور اس کی اہمیت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔

مولانا شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کا نام نامی اس باب میں بالکل کافی ہے اور انھوں نے ندوۃ العلماء کو جو کچھ دیا وہ نہ صرف ندوۃ العلماء بلکہ ہماری موجودہ تاریخ کا تابناک اور بیش قیمت جزء ہے۔

ضرورت ہے کہ ندوۃ العلماء کے اس تخیل کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہ رہ جائے اور قلب و دماغ، روحانیت اور وسیع النظری کا یہ اجتماع جو ہمیں ندوۃ العلماء کے فرزندوں میں اکثر ملتا ہے اور زیادہ مضبوط ہو۔ اور وہ یہ محسوس کریں کہ طلب صادق، خدا سے گہرے اور سچے تعلق، اخلاص و محبت اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے بغیر یہ ساری جد و جہد بے نور، سارے اعمال بے جان اور یہ سب خدمت بے قیمت اور اضاعت وقت ہے۔ اور یہ حقیقت جس قدر جلد ہم پر منکشف ہو جائے گی ہماری زندگی کے حق میں (جو ہمارے ترکش کا پہلا اور آخری تیر ہے) اسی قدر مفید اور بہتر ہوگا۔

نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر
نقش ہے ہر نا تمام خون جگر کے بغیر

بقیہ، دارالمصنفین ص ۷

اس موقع پر دارالمصنفین کا پچاس سالہ طلائی جشن نہ صرف یہ کہ اس ادارہ کی خدمات سے روشناس کرانے کا باعث ہوگا بلکہ اس کے لئے مزید تقویت اور آگے بڑھنے کا سبب بنے گا، اس لحاظ سے یہ جشن انتہائی اہم اور ضروری ہے۔

اس طلائی جشن کی تاریخ اب بالکل قریب آچکی ہے۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ اس کی صدارت کے لئے ایک ایسے علم دوست اور ماہر علم و فن شخصیت کا انتخاب ہوا ہے جو ہر لحاظ سے اس کے لئے موزوں تر ہے، میری مراد نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب سے ہے، امید ہے کہ اس تقریب میں ملک کے مختلف مکاتب فکر کے فضلاء اور اسلامی ممالک کے سفراء اور نامور علماء و مشاہیر شریک ہوں گے اور ہر حیثیت سے یہ اجتماع کامیاب ثابت ہوگا،

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ہندو پاک کا سب سے پہلا پندرہ روزہ عربی اخبار

الرائد جو ۸ سال سے برابر نکل رہا ہے اور علمی مقالات، ثقافتی خبریں، تبصرے، عالم عربی و اسلامی کے مختلف علمی ثقافتی حالات ملک کے عربی داں حلقے کے سامنے پیش کرتا ہے

صاحب الامتیاز: مولانا محمد رابع حسنی ندوی، ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء

بدل اشتراک ہندو پاک سے سال بھر کے لئے ۲/۵۰ روپے
ممالک غیر سے ۶/۰

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا اسطرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بن گئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۷۵/.، حصہ دوم ۷۵/.، حصہ سوم ۱/۷۵

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آ گئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible]

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان بانداز نثروں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں۔ نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت [illegible]

مختارات (۲ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کئے جانے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن، یوپی

نتیجہ امتحان سالانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء بابتہ سنہ ۶۵-۱۹۶۴ء و سنہ ۱۳۸۴ھ

درجہ ہفتم عربی

نمبر شمار	اسماء	نتیجہ	ڈویژن و پوزیشن
۱	عبدالعلیم	پاس	اول ۱
۲	سید شہزاد علی	پاس	اول ۲
۳	محمد رضا گورکھپوری	"	دوم ۳
۴	محمد طاہر حسن	"	دوم ۴
۵	عبدالرزاق بمبئی	"	دوم ۵
۶	سید شرافت علی	"	دوم ۶
۷	بشیر الدین	"	دوم ۷
۸	عبدالحمید	"	دوم ۸
۹	محمد قیصر عالم	"	دوم ۹
۱۰	اویس اظہر	پاس	دوم ۱۰
۱۱	محمد بشیر الدین خاں	"	دوم ۱۱
۱۲	بشیر احمد	"	دوم ۱۲
۱۳	عبدالوحید بمبئی	"	دوم ۱۳
۱۴	محمد صلاح الرحمٰن	"	دوم ۱۴
۱۵	بشیر احمد خاں	"	سوم ۱۵
۱۶	ابوالحسن خاں	"	سوم ۱۶
۱۷	محمد ہارون اندوری	"	سوم ۱۷
۱۸	محمد ہارون نگرامی	"	سوم ۱۸
۱۹	سید صابر حسین	مترقی	-
۲۰	محی الدین خاں گونڈوی	ضمنی	انشاء
۲۱	محمد ایوب نیپالی	ضمنی	انشاء
۲۲	محمد عبدالرشید بیربھومی	"	انشاء
۲۳	محفوظ الرحمٰن	"	انشاء
۲۴	قمر الہدیٰ	ضمنی	مشکوٰۃ اول، جغرافیہ
۲۵	محمد واعظ الدین	"	انشاء
۲۶	محمد اختر	"	"
۲۷	رضوان احمد	"	"
۲۸	کلیم اللہ	ضمنی	مشکوٰۃ اول، مختارات
۲۹	سعید الرحمٰن	ضمنی	انشاء، مختارات
۳۰	محمد منصور خاں	"	مشکوٰۃ اول
۳۱	عبدالجبار	"	ہدایۃ النحو، معلم الاصلاح
۳۲	سید محمد خالد حسنی	ضمنی	مشکوٰۃ اول، مختارات
۳۳	صدیق نسیم	ضمنی	مختارات
۳۴	خلیل احمد	"	انشاء، معلم الاصلاح
۳۵	مقبول الغنی	"	انشاء، مختارات
۳۶	محمد صابر	فیل	×
۳۷	عبدالوحید براری	فیل	×
۳۸	محمد عبدالسلام	"	×
۳۹	محمد محسن	"	×

درجہ ہشتم

نمبر شمار	اسماء	نتیجہ	ڈویژن و پوزیشن
۱	محمد نعیم صدیقی	پاس	اول ۱
۲	سید بشیر عالم	پاس	دوم ۲
۳	شفیق احمد خاں	پاس	دوم ۳
۴	محمد ادریس	"	دوم ۴
۵	محمد عباس نیپالی	"	دوم ۵
۶	خلیل اللہ	"	دوم ۶
۷	خطیب احمد بنگش	"	دوم ۷
۸	محمد حبیب اللہ	"	دوم ۸
۹	سید ارشاد علی	"	دوم ۹
۱۰	اشفاق محمد قریشی	"	دوم ۱۰
۱۱	نثار احمد	پاس	دوم ۱۱
۱۲	احمد نور	"	دوم ۱۲
۱۳	محمود احمد	پاس	سوم ۱۳
۱۴	محمد سلیم	مترقی	-
۱۵	عباد الرحمٰن	ضمنی	المدخل
۱۶	محمد علاء الدین نیپالی	"	شرح فقہ اکبر
۱۷	محمد اسلم	"	نصوص ادبیہ، انگریزی
۱۸	محبوب الرحمٰن خاں	"	المدخل
۱۹	علاء الدین رائے بریلوی	"	شرح فقہ اکبر، انگریزی
۲۰	سید صغیر احمد	"	انگریزی
۲۱	محمد علاء الدین نیپالی	ضمنی	شرح فقہ اکبر

فضیلت اول

نمبر شمار	اسماء	نتیجہ	ڈویژن و پوزیشن
۱	سید احمد	پاس	دوم ۱
۲	محمد مسعود	"	دوم ۲
۳	محمد نجم الدین	پاس	دوم ۳
۴	منظور احسن	پاس	دوم ۴
۵	محمد عمر	"	دوم ۵
۶	محمد سلیمان	"	دوم
۷	عبدالرحیم	مترقی	
۸	محمد غیاث	مترقی	
۹	محمد عثمان	مترقی	
۱۰	شہید الحق	ضمنی	مسلم شریف
۱۱	عبدالرحمٰن حیدرآبادی	ضمنی	مسلم شریف

فضیلت دوم

نمبر شمار	اسماء	نتیجہ	ڈویژن و پوزیشن
۱	غلام جیلانی	پاس	اول ۱
۲	یعقوب علی	"	اول ۲
۳	محمود الازہار	"	دوم ۳
۴	محمد عبدالرشید	"	دوم ۴
۵	حبیب اللہ	پاس	سوم ۵
۶	سید قمر علی		
۷	سید محمد غفران	ضمنی	بخاری شریف
۸	عبدالسمیع خاں	ضمنی	بخاری شریف

۱۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا نیا تعلیمی سال مورخہ ۱۷ر شوال المکرم مطابق ۲۰ر فروری ۱۹۶۵ء سے شروع ہو رہا ہے۔

۲۔ جدید داخلہ کا سلسلہ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۶۵ء سے شروع ہو چکا ہے۔

۳۔ درجات ثانویہ کی تعلیم بھی مورخہ ۱۳ر فروری سے شروع ہو گئی۔

۴۔ سال رواں کے جدید وظائف کی منظوریاں جاری کی جا چکی ہیں۔ درخواست دہندہ منظوری وظیفہ وصول ہو جانے پر دارالعلوم ۱۴ر فروری کے بعد اور یکم مارچ سے پہلے داخلہ کے لئے پہنچ جائیں۔ بلا وظیفہ بغیر منظوری حاصل ہوئے آنے کی صورت میں جملہ مصارف خود برداشت کرنے ہوں گے۔

۵۔ نئے تعلیمی سال سے باقاعدہ [illegible] ہونے والے طلبہ کو فیس خوراک ماہانہ پچیس روپیہ ادا کرنے ہوں گے۔

۶۔ ضمنی امتحانات کی تاریخوں کا اعلان تعلیمی سال شروع ہونے پر کر دیا جائے گا۔ انفرادی حیثیت سے طلبہ کو علیحدہ علیحدہ اطلاعیں نہ جاری کی جائیں گی۔

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا۔